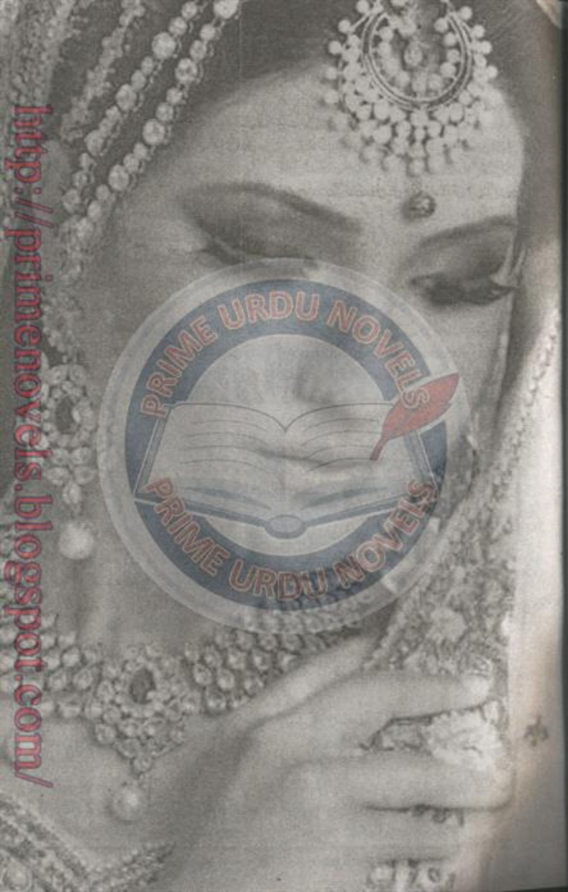

کچھ ادھورے اپنے جزن سا میں

اُم مریم

گاؤں کی نیم پختہ سڑک پر لینڈ کروزر دھول اڑاتی تیزی سے فرانے بھر رہی تھی اس گاڑی کے پیچھے پالتو کتے مسلسل بھاگنے کے باعث اب ہانپنے لگے تھے پیاس کی شدت سے ان کی زبانیں باہر لٹک گئی تھیں۔ سفر کی طوالت کے باعث تھکن اس گاڑی میں موجود تمام نفوس کے چہروں سے ہویدا تھی۔ ماسوائے فرنٹ سیٹ پر اطمینان سے بیٹھے زوار شاہ کے اس کے لبوں میں دبا سگریٹ سلگ کر آدھا ہو چکا تھا۔ ہونٹوں کے نیم وا گوشوں سے دھواں ایک تسلسل سے نکل کر گاڑی کی فضا میں تحلیل ہو رہا تھا ہاتھ میں پکڑی رائفل کی نال کو کھلی کھڑکی سے باہر نکالے وہ گاہے بگاہے فائر داغتا تو گرد و غبار سے اٹی فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے عجیب بے ہنگم سے انداز میں گونج کر رہ جاتی۔ یہ چھوٹا سا قافلہ دور پار کے جنگلات سے شکار کر کے لوٹا تھا۔ معاً زوار شاہ کے اشارے پر گاڑی ایک زور دار جھٹکے سے رک گئی۔ دروازہ کھلتے ہی وہ مونچھوں کو مروڑتا ہوا اچھل کر زمین پہ کودا۔

"ارے جاے ادھر مر۔" اطراف میں ایک سرسری نگاہ ڈال کر اس نے گرج دار آواز میں ملازم کو پکارا جو اگلے ہی پل دست بستہ حاضر ہو گیا۔

"حاضر سائیں...... حکم۔"

"جا کچھ کھانے پینے کا انتظام کر۔" بغلی جیب سے سگریٹ کیس نکال کر نیا سگریٹ سلگاتے ہوئے وہ رکھائی سے کہتا ہوا چند قدم بڑھا کر سڑک کے اطراف قطار میں کھڑے درختوں میں سے ایک کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہ جیتا رہ میرے یار...... تو واقعی دریا دل ہے۔" پچھلی سیٹوں سے اس کے تینوں دوست بھی نکل کر اس کے آس پاس آ کھڑے ہوئے تھے۔ نیاز کچھ زیادہ ہی جوش میں آ کر جھوم اٹھا۔

"اوئے مکھن نہ لگا مجھے جو ہمارے ساتھ ہوگا ہماری خدمت کرے گا اسے روٹی پانی تو ہم ڈالتے ہی ہیں۔" اس کا لہجہ ازحد تحقیر سمیٹے ہوئے تھا مگر نیاز برا منائے بغیر جاے کی سمت متوجہ ہو گیا۔ جو بھنے ہوئے گوشت کے ٹن سلیقے سے دستر خوان بچھا کر لگا رہا تھا یہ گوشت تیتر کا تھا جو زوار شاہ نے دوران شکار نشانہ بنائے تھے اور جاے نے انہیں مسالا لگا کر بھونا تھا۔ حالانکہ جو کچھ وہ حویلی سے چلتے ہوئے ساتھ لائے تھے وہ اتنا زیادہ تھا کہ ابھی بھی ڈگی میں موجود تھا اس کے دوست کھانے پر ٹوٹ پڑے تھے جبکہ وہ ایک طرف کھڑا ہنوز سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔

"تم کچھ نہیں لو گے زوار؟" خرم کو اس کا خیال آیا تو ہاتھ روک کر استفسار کیا۔ وہ جو کسی گہری سوچ میں تھا ذرا سا چونکا کچھ کہے بنا ان کے نزدیک آ کر ایک ٹن اٹھا کر کھولنے لگا۔

"یار عورت کے حسن کے بغیر یہ رنگ ماٹھا لگ رہا ہے۔" اذان نے اس کے چہرے کے نخوت بھرے تاثرات دیکھ کر اپنی بات پر زور دیا تو زوار نے ہاتھ میں پکڑا ٹن دور اچھال دیا۔

"عورت اور خوب صورتی......؟" اس نے استہزائیہ قہقہہ لگایا۔

"کیا مطلب؟" وہ گو کہ اس کے خیال سے واقف تھے پھر بھی جیسے مزہ لینے کو نیاز نے حیرت ظاہر کی۔

"بھلا پاؤں کی جوتی بھی کبھی حسین ہوتی ہے۔ عورت میں اور پاؤں کی جوتی میں کیا فرق ہے؟ یہ مقام ہے اس کا۔" وہ بے حد حقارت زدہ لہجے میں بولا تو اذان مسکراہٹ دبا کر نیاز کو آنکھ سے کچھ اشارہ کرتا ہوا بولا۔

"لیکن یار ہم نے تو سنا ہے......"

"اوئے بس کر میرا دماغ خراب نہ کر کھا لیا ہے تو گاڑی میں آ کر بیٹھو۔" وہ جھڑکنے کے انداز میں گاڑی کے کھلے دروازے سے اندر جا بیٹھا۔ وہ سب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

❁......❁......❁

ٹرین کسی نیم تاریک سنسان اسٹیشن پر رکی تھی نیند سے

PRIME URDU NOVELS
http://primenovels.blogspot.com/
http://primenovels.blogspot.com/

جھومتی الوینہ کی آنکھ سیٹی کی تیز آواز پر کھلی تو ہڑبڑا کر سیدھی ہو بیٹھی۔ کھڑکی سے باہر سرسری نگاہ ڈالی تو مطلوبہ اسٹیشن کا نام نظر آتے ہی جیسے اس کا وجود جھٹکا کھا کر سیٹ سے اچھلا۔ وہ خاصی افراتفری کے عالم میں ٹرین سے سامان سمیت نیچے اتری تو ٹرین اس کے پلیٹ فارم پر قدم رکھتے ہی رینگنا شروع ہوگئی۔ اس کے تیز دھڑکتے ہوئے دل کو جیسے اطمینان ملا۔

"میرے خدا!! اگر

"سلام بی بی ڈاکٹرنی!" وہ دور ہوتی گاڑی کو دیکھ رہی تھی کہ اسی وقت اس سرسراتی آواز پہ زور سے اپنی جگہ سے اچھلی۔

"ہائے بی بی! تساں تے ڈر ہی گئے؟ میں جی ساجا آں تانگے والا تاہانوں لینے آیا ہاں۔" دبلا پتلا منحنی سا وجود کراری آواز سمیت اس سے مخاطب تھا۔

"تمہیں کیسے پتا کہ میں وہی ڈاکٹر ہوں؟" وہ کچھ کچھ مشکوک ہوئی۔ فجر کی اذان ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ ہر سو اندھیرا تھا اور جسم میں لہو جماتی ٹھنڈ نے گرم کپڑوں میں ملبوس ہونے کے باوجود اسے خود میں سمٹنے اور ٹھٹھرنے پر مجبور کردیا تھا۔

"لو جی پتا کیسے نہ ہو ڈاکٹرنی جی! اس اسٹیشن پر کبھی کبھار ہی کوئی اترتا ہے اور آج تو ہمیں بڑے شاہ ہوراں کے ملازم بتا گئے تھے کہ شہر سے ڈاکٹرنی جی نے آنا ہے' جس تاں تہجد کی بانگاں سے یہاں آ کر بیٹھی آں' گڈی کا کی پتا جی کس ویلے آجائے۔ ہور تہانوں انتظار کرنا پڑے۔"

"او..... اچھا اچھا۔" اس نے پرسکون ہوتے ہوئے سر ہلایا اور بیگ اٹھائے اسے سامان اٹھانے کا اشارہ کرتی ہوئی اس کے پیچھے چل پڑی۔

❁....❁....❁

"اوئے میرل! کہاں مرگیا تو.....؟" زوار شاہ کی دہاڑ کی آواز سن کر لرزتا کانپتا میرل جانے کس کونے سے اڑ کر سامنے آیا۔

"جی شاہ سائیں۔" ہاتھ باندھے وہ گڑگڑایا۔

"کہاں مرگیا تھا کہ ایک آواز پر نہیں پہنچا؟" اس کی پھنکار پر میرل کا دم نکل گیا۔

"شاہ سائیں.....؟"

"اوئے آگے سے بکواس کرتا ہے۔" اس کا ہاتھ گھوما اور میرل الٹ کر دور جا پڑا جبکہ وہ دہکتی آنکھیں لیے دو قدم بڑھا کر اسے زوردار ٹھوکر رسید کرتا ہوا سرد لہجے میں غرایا۔ "حرام خور اٹھ گاڑی نکال مجھے شہر جانا ہے۔" میرل منہ سے رستے ہوئے خون کی پروا کیے بغیر سرعت سے اٹھ کر بھاگا جبکہ وہ وہیں سے پلٹ کر اندر چلا گیا۔

زوار شاہ، اسحاق شاہ کا چھوٹا بیٹا تھا۔ بڑا بیٹا رحمن شاہ جو شادی شدہ تھا اور نیم پاگل بھی' جس کی وجہ سے وہ گدی کا حق دار نہیں تھا۔ اسحاق شاہ کا جاں نشین زوار شاہ ہی تھا گو کہ اس سے چھوٹا یاور شاہ بھی ہے مگر جو حیثیت زوار کی تھی' وہ اسحاق کے دونوں بیٹوں کو نہیں مل سکی تھی۔ پچاس سے زیادہ گاؤں کے مالک اسحاق شاہ کا یہ بیٹا چھ فٹ سے نکلتے ہوئے قد اور گرانڈیل وجود سمیت بے انتہا مردانہ وجاہتوں کا مالک اور خاندان کے تمام سپوتوں میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے اٹھتے قدموں سے زمین میں پڑنے والی دھمک اسحاق شاہ کی غرور سے اکڑی گردن کے کلف کو کچھ اور بڑھا دیتی۔ اس کی ذات کی ہر برائی اور کفر کی حدوں کو چھوتا ہوا غرور و تکبر اس کی ماں کی آنکھوں کی چمک کو کچھ اور بڑھا دیتا تھا۔ بقول ان کے سرداروں کی اولاد کو ایسا ہی بے نیاز ہونا چاہیے۔ اس کی ذات سے منسلک ہر برائی اس کی خوبی سمجھی جاتی' چونکہ اس کی پرورش اس طرز پر کی گئی تھی کہ وہ مکمل طور پر ایک بگڑے ہوئے خودسر رئیس زادے کے روپ میں سامنے آئے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے ہر عمل میں خود کو حق بجانب سمجھتا تھا۔

❁....❁....❁

اسے وہاں آئے دوسرا دن تھا اور ڈیوٹی سنبھالے پہلا دن۔ اسپتال کی عمارت قابل رحم اور توجہ کی طالب تھی۔ دیواروں پر جالے لٹک رہے تھے۔ کمپاؤنڈر سرے سے غائب۔ اس کی آمد کی اطلاع پر بدحواس ہو کر پہنچا تو چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"تم کمپاؤنڈر ہو.....؟" اس نے آنکھیں ترچھی کرکے پوچھا۔

"جی ڈاکٹر صاحب۔"

"تمہیں میرے آنے کی اطلاع نہیں تھی؟" اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"جی جی تھی ڈاکٹر صاحب! بس میں اپنے گھر چلا گیا۔ میری گھر والی کی طبیعت اچھی نہیں تھی۔"

"ہوں..... ہفتے میں کتنی بار یہاں آتے ہو؟"

"جی....." کمپاؤنڈر کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے ابل پڑیں۔

"گھر کہاں ہے تمہارا؟"

"جی..... دوسرے گاؤں۔" اس کی کیفیت نظر انداز کیے وہ اگلا سوال کرگئی' یہ سختی از حد ضروری تھی۔ اسے غصہ آرہا تھا گویا وہ سمجھ رہا تھا جیسے باقی کے ڈاکٹرز آرڈر کے باوجود یہاں تعینات ہونے سے قبل ہی اپنا ٹرانسفر کروالیتے یا کہیں اور کروالیتے تھے وہ بھی یہاں نہیں آئے گی اور وہ یہ سوچ کر گھر پر پڑا رہا تھا۔ اسے اچھی طرح جھاڑ کر وہ اس کی ذمہ داری کا احساس دلاتی رہی۔ تبھی زرینہ نے دروازے سے اندر جھانکا۔

"سلام ڈاکٹرنی جی۔"

"وعلیکم السلام آؤ زرینہ رک کیوں گئیں؟" اس نے مسکرا کر اس کی جھجک دور کی۔

"وہ ڈاکٹرنی جی آج کچھ اور عورتیں سلام کو آئی ہیں۔" زرینہ جو کل اس کی رہائش پر آکر اس سے شناسائی حاصل کرچکی تھی اس کی مسکراہٹ سے حوصلہ پاکر بولی۔ الوینہ کے لبوں پر موجود مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"ہاں تو لے آؤ۔" وہ پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہوگئی۔ جہاں میلے کچیلے لباس میں عورتیں ایک دوسرے کو دھکیلتی ایک دوسرے کے پیچھے اندر آکر کھڑی ہوگئیں۔ الوینہ مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھتی چھوٹے موٹے سوال کرتی رہی۔ جس کا ادھورا جواب ملتا بلکہ اکثر سوال ان کی جھجک اور ہنسی میں دب جاتا۔ کمپاؤنڈر جانے کہاں کہاں سے دواؤں کی شیشیاں برآمد کرنے کے بعد اب الماری میں ترتیب سے سجا رہا تھا۔ وہ ان عورتوں سے مایوس ہو کر اٹھی اور دواؤں کا جائزہ لینے لگی۔

"دیکھا کتنی سوہنی ہے؟ میں نے کہا تھا نا! دیکھنے میں بالکل میم لگتی ہے۔" زرینہ نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ جو الوینہ کو صاف سنائی دے گیا۔

"ہاں واقعی اتنی گوری ہے' بالکل انگریزنی لگتی ہے اور کتنی چھوٹی موٹی سی ہے' نازک گڑیا جیسی۔" وہ آپس میں بات کرتی ہنس رہی تھیں۔ الوینہ کو خالہ کے خدشات یاد آگئے' اس کی اس بے تحاشہ خوب صورتی سے ہی تو ڈری ہوئی تھیں وہ بھی جبھی تو اسے بھیجنے سے انکاری ہوگئی تھیں۔ مگر وہ یہ سنہرا موقع گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ خالہ اور آذر پر مزید بوجھ بننا اسے گوارا نہیں تھا۔ جبھی اس پیشکش کو غنیمت جانتے ہوئے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلی آئی تھی۔

"تم کیا سمجھتی ہو الوینہ! تم ہم پر بوجھ ہو؟" آذر نے شاکی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا اور وہ اس سے نگاہ چرا گئی تھی۔

"اماں کی بات مان لو الوینہ اور مت جاؤ۔" آذر نے اصرار کیا جب وہ اسے ٹوک گئی تھی۔

"مجھے جانا ہی ہے آذر میں نہیں چاہتی میری وجہ سے تمہارا گھر برباد ہو' پلیز مجھے مت روکو۔" اور آذر بہت چاہنے کے باوجود بے بس سا ہوگیا تھا یوں وہ اللہ کے سہارے پر یہاں چلی آئی تھی' جہاں اور کچھ نہ بھی ہو عزت سے دو وقت کی روٹی تو میسر ہوتی۔

"کیا سوچنے لگیں ڈاکٹرنی جی! یہ جمیماں کو ذرا دیکھ لو' اس کی ساس بڑی کڑوی ہے ذرا بھی دیر ہوئی تو اس کی ہڈی پسلی ایک کردے گی۔" زرینہ کی آواز اسے سوچوں کے بھنور سے کھینچ لائی تھی سو ہڑبڑا کر سیدھی ہوتی ہوئی وہ جمیماں کی جانب متوجہ ہوگئی جو نقاہت زدہ چہرہ لیے سامنے تھی۔ زرینہ بغیر کومے فل اسٹاپ کے اس کی بیماری بتا رہی تھی۔ الوینہ پوری توجہ سے چیک اپ کرنے لگی۔ ذہن بٹ گیا تھا' یہ غنیمت تھا۔

❁....❁....❁

زرینہ کے گھر کے ساتھ والا گھر اسے رہائش کے لیے ملا تھا۔ چونکہ وہ تنہا جوان لڑکی تھی جبھی گاؤں کے جاگیردار نے خاص عنایت کرتے ہوئے حویلی سے ایک بوڑھی ملازمہ اس کی خدمت کے لیے مہیا کردی تھی۔ ساتھ ہی اسے رات کا کھانا حویلی میں کھانے کی دعوت بھی دی تھی' بوڑھی ملازمہ کو شکریہ کے ساتھ قبول کرنے کے بعد اس نے کھانے کی دعوت سے معذرت کرلی تو زرینہ جو اس وقت اس کا کھانا پکانے وہیں رک گئی تھی' گھبرا کر اشاروں میں اسے کچھ سمجھانے لگی وہ کیا خاک سمجھتی ان اشاروں کو' نافہم نگاہوں سے اسے تکنے لگی جبکہ ملازم میرل ابھی تک سر پہ موجود تھا۔

"ڈاکٹرنی جی! روٹی سے انکار نہ کرو شاہ سائیں کو چنگا نہیں لگے گا بھلے ایک لقمہ وہاں جا کے کھالینا۔" وہ باقاعدہ سہمی ہوئی قریب آکر بولی تو الوینہ نے کچھ سوچ کر حویلی جانے پہ آمادگی ظاہر کردی۔

"اچھا..... ٹھیک ہے بابا آپ شاہ جی سے کہہ دینا میں

http://primenovels.blogspot.com/
http://primenovels.blogspot.com/

http://primenovels.blogspot.com/

آ جاؤں گی۔" اس نے گویا جان چھڑائی اور خود کمرے میں چلی گئی کہ عصر کی نماز کا وقت ہوا جا رہا تھا۔ گاؤں کے جاگیرداروں اور شاہوں کے متعلق اس کی رائے جو خاصی مشکوک تھی قدرے اچھی ہوگئی۔ بڑے شاہ کی عنایت اور مہمان نوازی نے اس کی سوچ پہ خاصا بہتر اثر مرتب کیا تھا کھانے پہ حویلی کی خواتین سے ہی اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ بڑے شاہ کی بیوی نے بتایا تھا کہ اسحاق شاہ اپنے بیٹوں سمیت شہر گئے ہیں۔ اس کی ملاقات کھانے کے کمرے میں اسحاق شاہ کی بیوی اور بھاوج سے ہوئی تھی جو روایتی جاگیردارنیوں کے روپ میں بھاری جسامت اور بھڑکیلے لباس سمیت سونے کے زیورات سے لدی پھندی طبیعت کی شوخی اور گنوار پن اور نخوت زدہ چہروں پر غرور لیے اس کے دل پہ عجیب سا بوجھ ڈال گئیں۔ کھانے کے دوران وہ اپنی وسیع زمینوں اور جائیداد کے قصے سناتی رہی تھیں جن سے الوینہ کو کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ سو مجبوراً ہوں ہاں کرتی رہی۔ کھانے کے بعد وہ مزید رکنے پہ آمادہ نہیں تھی واپسی پر شاہ کی بیوی نے زبردستی کچھ تحائف اس کے ساتھ کر دیے تھے جنہیں نہ چاہتے ہوئے بھی اسے قبول کرنا پڑے تھے۔

❁ ❁ ❁

اگلی صبح شدید سردی نے اسے فلو میں مبتلا کر دیا۔ رات کو گرم قہوہ پینے کے باوجود اس کی طبیعت نہیں سنبھلی۔ رات بھر وہ لحاف میں سکڑی کانپتی رہی تھی۔ بوڑھی ملازمہ نے کوئلوں کی انگیٹھی سلگا کر اس کے سرہانے رکھی تھی مگر سردی تو جیسے اس کی رگوں میں اتر گئی تھی۔ فجر کی نماز کے لیے اٹھی تو وضو کے لیے باہر آتے ہی یخ بستہ ہوا کے نم جھونکے نے اسے کپکپا کے رکھ دیا۔ بمشکل فجر کی نماز ادا کر کے وہ بستر میں گھسی تو پھر اسے کوئی ہوش نہیں رہا۔ اگلے دن تک بمشکل وہ سنبھلی تھی۔ بوڑھی ملازمہ جنہیں وہ خالہ بی کہنے لگی تھی، کے ساتھ زرینہ نے بھی اس کی تیمارداری میں کوئی کسر نہ رکھی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ دوسرے دن وہ اسپتال جانے کو تیار ہوگئی تھی۔

"ایک دن اور آرام کر لو۔" خالہ بی کے مشورے پر وہ محض مسکرا دی کہ یہاں وہ آرام کرنے نہیں، آرام پہنچانے کے ارادے سے آئی تھی۔ گرم شال سے سر اور ناک اچھی طرح چھپائے اسٹیتھسکوپ ہاتھ میں لیے اپنے دھیان میں تیز قدم اٹھاتی پگڈنڈی سے اتر کر سڑک پہ دو قدم ہی چلی ہوگی جب ایک تیز رفتار جیپ انتہائی تیزی سے پاس سے گزر گئی۔ الوینہ نے دھیان نہیں دیا اور یونہی قدم بڑھاتی رہی معاً جیپ آگے جا کے رکی تھی پھر بیک ٹرن لے کر ایک جھٹکے سے اس کے بالکل قریب آن رکی۔ اب کے الوینہ ٹھٹکی تھی اس سے پہلے کہ کچھ سمجھتی کوئی فرنٹ سیٹ سے کود کر اس کے سامنے آ گیا۔

"کہاں جا رہی ہے شہزادی؟ کچھ ہمارے بھی چیک اپ کر لو تمہارے مریضوں میں ہیں ہم بھی۔" تھرڈ کلاس لہجہ اور وجود کے آر پار ہوتی ہوئی نگاہیں ساکت کھڑی الوینہ کو کھولا کے رکھ گئیں۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟ ہٹو راستے سے......" دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے وہ جیسے پھنکاری تھی۔

"لے...... یہ ہمارا علاقہ ہے ڈاکٹرنی، اگر نہیں جانتی تو جان لے۔" یاور نے غرا کر گویا اپنی حیثیت واضح کی۔

"دیکھو مسٹر! مجھے اس سے غرض نہیں کہ تم کون ہو، بہتر ہوگا کہ تم راستہ چھوڑ دو۔" وہ چاہنے کے باوجود خود کو کنٹرول نہیں کر پائی کہ مخالف کا لب و لہجہ اندازہی آگ لگا دینے والا سا تھا۔

"تم......" وہ انگلی اٹھا کر غرایا۔ الوینہ جو سلگتی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی اب بچتی بچاتی کچھ کہے بنا کترا کر نکل گئی۔

"واہ کیا تور ہے ڈاکٹرنی کی جیسے ہم نہیں، یہ یہاں کی مالکہ ہے۔" یاور کے کزن امجد نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کے گویا مضحکہ اڑایا۔

"دیکھ لیں گے اسے بھی......" یاور دھند میں گم ہوتے اس کے پیکر کو نگاہوں کی زد پر رکھے برہمی سے بولا تو امجد چونک کر اسے دیکھنے لگا اور جو کچھ اس کے چہرے پر نظر آیا وہ اس کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھیر گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

"کون...... وہ ڈاکٹرنی......؟" زوار شاہ بری طرح سے چونکا یاور کے منع کرنے کے باوجود امجد اسے پوری بات بڑھا چڑھا کر سنا چکا تھا۔ جسے سنتے ہی حسب عادت وہ غصے سے اکھڑ گیا۔

"اس کی یہ جرأت کہ وہ شاہوں سے اس لہجے میں بات کرے۔" وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کچھ نہیں لالا تو پریشان نہ ہو، یہ میرا معاملہ ہے، میں خود دیکھ لوں گا۔" یاور نے امجد کو بری طرح سے گھورتے ہوئے سرسری سے انداز میں بات پلٹنا چاہی۔

"توئے چپ کر تو" وہ ہوتی کون ہے اس قسم کی بکواس

کرنے والی؟ میں اس کے جسم کے ٹکڑے کر کے کتوں کو کھلوا دوں گا۔" راستے میں رکھی تپائی کو پاؤں کی ٹھوکر مارتا میرل کو آوازیں دیتا ہوا باہر نکل گیا تو یاور امجد سے الجھ گیا۔ جس نے بنا بنایا کھیل گویا بگاڑ کے رکھ دیا تھا۔

"کیا ضرورت تھی لالا سے بکواس کرنے کی......؟ جب میں نے کہا تھا میں اس سے ایسا انتقام لوں گا کہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے گی۔"

"زوار تجھ سے بھی دو ہاتھ آگے ہے یار! ...... تو کیوں فکر کرتا ہے۔" امجد نے ڈھٹائی سے کہتے ہوئے اس کے شانے تھپکے تو یاور سر جھٹک کر رہ گیا۔

میرل کی ہمراہی میں زوار شاہ پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ کھول کر اندر آیا تھا الوینہ کچھ دیر قبل ہی اسپتال سے واپسی آ کر دھوپ میں ستانے کو لیٹی تھی کہ خالہ بی تیل کی شیشی لیے چلی آئیں۔ ان کے نرم ہاتھوں کے مساج نے اسے اتنا سکون بخشا تھا کہ وہ وہیں نیم دراز ہوگئی تھی اور اس اچانک افتاد پہ گھبرا کر اٹھی تو دوپٹہ ڈھلک کر گود میں جا گرا۔ سفید شلوار کرتے ہلکی بڑھی ہوئی شیو، سرخ دہکتی ہوئی آنکھوں اور لمبے چوڑے سراپا سمیت وہ الوینہ کو لمحے کے ہزارویں حصے میں اپنی پہچان کرا گیا۔ اس نے شپٹا کر دوپٹا اٹھا کر اپنے گرد لپیٹا مگر اس افراتفری کے عالم میں وہ کسی کی نگاہوں میں یوں سمائی کہ جیسے ٹھہر گئی تھی۔

"اوہ تو تم ہو ڈاکٹر الوینہ؟" مونچھوں کو مروڑ کر قدم بڑھاتا ہوا وہ اس کے پاس آ کر گھبرے طنز سے بولا تو الوینہ کے سمجھ میں نہیں آیا کہ اس سوال کے جواب میں کیا کہے۔

"کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لی جاتی ہے محترم۔" وہ چاہنے کے باوجود بھی اپنی تلخی چھپا نہ پائی تھی۔

"اوہ...... اچھا تو یہ تمہارا گھر ہے، مگر دیا کس نے؟ ہم نے...... ہے نا پھر تمہارا کیسے ہوگیا؟ ہاں......" وہ اس پہ جھک کر مغرور لہجے میں بولا تو الوینہ ناگواری کے شدید احساس سمیت پیچھے ہٹی۔ اس قسم کی صورت حال اس کے لیے نقصان دہ تھی پہلے ایک پھر دوسرا بھائی اسے زچ کرنے پر تلا تھا۔ جانے کیا ہونے والا تھا اس کے ساتھ۔ وہ اندر سے بری طرح خائف ہوگئی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر یہ لوگ چاہیں تو اسے پل بھر میں چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیں، اسے اپنی حیثیت اور کمزوری کا احساس تھا تب ہی اندر سے خائف ہونے کے باوجود بظاہر مضبوطی سے جمی رہی تھی۔

"دیکھو لڑکی! گاؤں والوں سے ہمارا موازنہ مت کرو۔ تم شہر کی ہو پہلی خطا سمجھ کر معاف کر رہے ہیں کہ یہاں کی روایات کے متعلق تمہیں آگاہی نہیں مگر آئندہ کے لیے خیال رکھنا سمجھیں۔" اس کی پیشانی پر انگشت شہادت سے دستک دیتے ہوئے وہ جیسے بہت جتانے والے انداز میں بولا تھا اور اگلے ہی لمحے ہونق کھڑے میرل کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا جس طرح دندناتا ہوا آیا تھا ویسے ہی چلا بھی گیا۔ الوینہ اتنی سہولت سے معاملہ دب جانے پہ جیسے ابھی تک غیر یقینی کی کیفیت میں کھڑی تھی۔

❁ ❁ ❁

زوار شاہ نے ہاتھ میں پکڑے ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی آف کیا اور وہیں نیم دراز ہوتے ہوئے دونوں بازو سر کے نیچے رکھ لیے۔ بکھرے ہوئے ریشمی بالوں کے ہالے میں وہ بھرپور جاذبیت لیے دلکش چہرہ جو پہلی ہی نگاہ میں جیسے بہت خاص لگا تھا۔ نزاکت رعنائی اور خوب صورتی لیے وہ تو بہ شکن حسن اسے پہلی ہی نگاہ میں چاروں شانے چت کر گیا تھا۔ ہلکا سا سہم لیے آنکھیں اور ان پر لرزتی پلکوں کی ریشمی جھالریں، کچھ کہنے کی کوشش میں نیم وا ہو جانے والے شنگرفی لب اپنے آپ سے بے نیاز بھولپن سے حزیں شعاعیں بکھیرتا ہوا روپ جیتی جاگتی آسانی سے اپنا آپ منوا گیا تھا۔ وہ جو خطرناک عزائم لیے گیا تھا گویا سب کچھ ہار کر واپس چلا آیا تھا۔ دل کی سرزمین پہ اٹھنے والا جذبہ اتنا زور آور تھا کہ شیر کی طرح خونخوار زوار شاہ کو بھی لمحوں میں زیر کر کے جکڑ گیا تھا۔ وہ بے بس سا ہو کر سوچتا رہ گیا اور ایک دلربا چہرہ فاتحانہ مسکان لیے اسے ڈسٹرب کرتا اس کی فتح پہ گویا اسے چڑا رہا تو زوار شاہ جیسے جھنجلا کر اٹھ بیٹھا۔

"اوہ کم آن زوار شاہ...... کیوں ڈسٹرب ہو...... کیا ضرورت ہے ٹینس ہونے کی...... آخر کیا ہے وہ ڈاکٹرنی؟ جب اسے پتا چلے گا تمہاری محبت کا تو اس اعزاز کو وصول کرنے از خود تمہارے قدموں میں جھک آئے گی۔ بتا دینا اسے، تم کوئی عام شخص نہیں ہو یہ جاگیر تمہاری ہے، یہ لوگ تمہارے غلام ہیں۔" اس کے دل نے اسے ڈھارس پہنچائی تو زوار شاہ کے تنے ہوئے کشیدہ اعصاب جیسے اعتدال پر آ گئے۔

❁ ❁ ❁

خالہ بی کی طبیعت صبح اچھی نہیں تھی جس وقت وہ اسپتال کے لیے روانہ ہوئی انہیں دوا دے کر آرام کی تاکید کے ساتھ گئی

http://primenovels.blogspot.com/

سے کام کاج سے منع کرنا نہیں بھولی تھی۔ موسم کی شدت کے باعث فلوز کام اور بخار عام بیماری تھی۔ دن بھر وہ مریضوں کے ساتھ مصروف رہی تھی۔ شام ڈھلے کمپاؤنڈر کو چند ضروری ہدایات دینے کے بعد شال سنبھالے ابھی اٹھ کر باہر آئی ہی تھی کہ داخلی دروازے پر بالکل غیر متوقع طور پر اس کا سامنا یاور شاہ سے ہوگیا۔ شال کو اپنے گرد لپیٹتا ہوا اس کا ہاتھ اسی جگہ پہ ساکن رہ گیا تھا۔

"دیکھئے محترمہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ادا کو شکار کے دوران گولی لگی ہے۔ فوری ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے آپ کو میرا انتظار کرنا پڑے گا جیپ میں ان کو لاتا ہوں۔" اس کے تاثرات میں اتنی سراسیمگی محسوس کرکے رسانیت سے کہتے ہوئے وہ پلٹ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا۔ جبکہ الوینہ حیران پریشان سی وہیں کھڑی رہ گئی۔ کمپاؤنڈر کرسی پہ سست سے انداز میں بیٹھا تھا۔ اسے ایک بار پھر روبرو پاکے ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا۔ الوینہ اسے نظر انداز کیے اپنی جگہ پہ آ گئی ابھی ڈھنگ سے بیٹھ بھی نہ پائی تھی کہ یاور زوار شاہ سمیت چلا آیا۔ زوار شاہ کے دائیں بازو سے ابلتا ہوا خون اس کے لباس کو رنگین کرچکا تھا۔ وہ یکلخت گھبرا کر کھڑی ہوئی۔ زوار شاہ کو کرسی پہ بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی وہ فرسٹ ایڈ باکس سمیت اس کی سمت متوجہ ہوکر بری طرح ٹھٹکی تھی جو اپنے فگار بازو کی پروا کیے بغیر وہ بہت اطمینان سے بیٹھا پوری توجہ سمیت اس کا بھرپور جائزہ لینے میں اس قدر مگن تھا کہ آس پاس موجود نفوس کی موجودگی کے احساس کو بھی بھلا بیٹھا تھا۔

"بازو ادھر کریں اپنا اور سیدھے ہوکر بیٹھیں۔" محسوس کی جانے والی تمام تر ناگواری اس کے لہجے میں در آئی تھی۔ زوار شاہ نے مبہم سا مسکراتے ہوئے نہ صرف حکم کی تعمیل کی بلکہ اپنا بازو بھی آستین ہٹا کر سامنے پیش کردیا۔ اس نے زخم کا معائنہ کیا گولی بازو کو چھوتی ہوئی نکلی تھی پھر الوینہ جب تک زخم صاف کرکے ڈریسنگ کرتی رہی اس کی پُرتپش نگاہوں سے اپنا چہرہ جلتا ہوا محسوس کرتی رہی۔ زوار شاہ اس کی خوش بودار قربت کے حصار میں جیسے سحر زدہ سا بیٹھا یک ٹک اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ جبکہ الوینہ اس کی اس فضول حرکت پر دانت پیستی ان آنکھوں کو پھوڑنے کی خواہش کو دباتی سامان سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ کچھ پین کلرز ہیں اگر انہیں ضرورت محسوس ہو تو دیجیے گا۔" وہ اس کی بجائے یاور شاہ سے مخاطب ہوئی تھی جس نے پتا نہیں اس کی بات کا تمسخر اڑایا تھا یا کچھ اور وہ سمجھ نہیں پائی۔

"اوہ رہنے دیں جی! ادا کو کیوں درد ہوگا؟ یہ تو شیر ہے ببر شیر۔ اتنی چھوٹی موٹی تکالیف ہمارا کچھ نہیں بگاڑا کرتیں اور اگر پھر بھی درد میں افاقہ نہ ہو تو کچھ اور علاج کریں گے۔" اس کے ہاتھ سے دواؤں والا تھیلا پکڑتے ہوئے یاور شاہ نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر جس طرح کہا تھا وہ ٹپٹا کر رہ گئی۔

"ضرور کیوں نہیں، مگر مجھے یقین ہے کہ اس دوا کے استعمال سے درد ختم ہوجائے گا۔" اس کی وجود کے پار ہوتی نگاہوں سے نظریں چرائی وہ بہت ضبط سے جواب دیتی اپنا اوور آل اٹھا کر سیدھی ہوئی تو اسے راستے میں حائل پاکر سخت بدمزہ ہوگئی۔

"ایکسکیوز می۔" ان دونوں کو وہیں چھوڑتی ہوئی وہ اسپتال سے نکل گئی تھی۔

❀......❀......❀

"ہوں...... بچہ ہے۔ بہت بہتر ہے لگتا ہے تم نے اس کا خوب خیال رکھا ہے۔" وہ جھکی ہوئی ماں کی گود میں بیٹھے بچے کا تفصیلی چیک اپ کررہی تھی جب سفید کھدر کے شلوار سوٹ پہ براؤن حیدرآبادی مردانہ شال شانوں پہ پھیلائے زوار شاہ نے اندر قدم رکھا۔ "اسے دودھ ضرور پلایا کرو۔ بخار اتر گیا ہے مگر نقاہت باقی ہے۔ ابھی چند دن روٹی نہیں کھلانا۔ دلیہ یا کوئی اور نرم غذا دیتی رہنا۔" زوار شاہ پہ سرسری نگاہ ڈال کر وہ ہنوز بچے کی ماں کو ہدایات سے نواز رہی تھی۔

"ڈاکٹرنی جی! وہ چھوٹے شاہ جی آگئے ہیں۔" عورت باقاعدہ گھبرا کر اٹھی تھی تب الوینہ گہرا سانس کھینچ کر کرسی کی پشت سے سر لگا کر اسے دیکھنے لگی جو وہاں موجود عورتوں پہ بری طرح برس رہا تھا۔

"چلو ساری بھاگ جاؤ یہاں کیا میلہ لگائے رکھتی ہو سارا دن۔" بینچ پر اپنی باری کے انتظار میں بیٹھی میلی کچیلی غریب عورتیں اس پھنکار پر افتاں وخیزاں بھاگیں۔ الوینہ بری طرح بھڑک کر اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی اسے ٹوک گئی۔

"یہ...... یہ کیا کررہے ہیں آپ؟" غصے سے مٹھیاں بھینچتی وہ جیسے پھٹ پڑنے کو تھی۔

"تمہیں مریض چاہئیں نا میں کس لیے ہوں؟ چیک کرو دوا دو۔" وہ اچانک اس کی سمت پلٹ کر یکسر بدلے ہوئے انداز میں بولا۔ الوینہ نے سلگتی ہوئی نگاہوں سمیت اس کی مسکراہٹ کو دیکھا۔

"آپ کا کیا خیال ہے مسٹر کہ......"

"آں ہاں! ایک منٹ مسٹر نہیں، زوار شاہ۔ تم مجھے زوار شاہ کہہ سکتی ہو۔" وہ ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوکتا ہوا مسکرایا تو الوینہ لب بھینچتی نگاہ کا زاویہ بدل گئی۔

"اب آپ کیوں آئے ہیں جبکہ آپ کو مزید مرہم پٹی کی ضرورت نہیں؟ زخم ٹھیک ہے اب۔" وہ جیسے زچ ہوگئی تھی۔ زوار شاہ جو نہایت اطمینان سے بیٹھ چکا تھا بے ساختہ مسکرایا۔

"جانتا ہوں زخم بھر گیا ہے مگر ڈاکٹر صاحبہ ہوسکتا ہے اس زخم کے سوا کوئی اور زخم بھی ہو جس کا علاج صرف آپ کے پاس ہو۔" اسے نگاہوں کی زد پر رکھے بھاری لہجے میں بات کرتا ہوا وہ معنی خیزی سے بولا تو الوینہ قدرے جھجکتی ہوئی اسے دیکھنے لگی۔ نگاہیں چار ہوئی تھیں، مقابل کی آنکھوں کی شرارت اور معنی خیزی اسے لمحے کے ہزارویں حصے میں نظر کا زاویہ بدلنے پہ مجبور کرگئی۔ "تم جانتی ہو بہت اہم بات کرنے آیا ہوں آج تم نے جسے سنو گی تو خود پہ رشک آئے گا تمہیں۔" وہ اٹھ کر اس کے بالکل قریب آکر مبہم سا مسکرا کر بولا تو الوینہ لب کچلتی ہوئی الٹے قدموں پیچھے ہٹ گئی۔

"ایسی کیا بات ہے......؟ اور پلیز آپ وہاں بیٹھ کر بھی بات کرسکتے ہیں۔" وہ گویا پیش بندی کے طور پر بولی تو جواباً زوار شاہ کا بے باک قہقہہ اسپتال کی عمارت کو ہلا گیا۔ الوینہ خائف سی ہوگئی۔ کمپاؤنڈر کو اس نے شہر بھیجا تھا دوائیں لینے کی غرض سے اس وقت زوار شاہ کے ساتھ وہ تنہا تھی اور اندر سے خاصی خوف زدہ ہوچکی تھی۔

"لیکن جو بات میں تم سے کرنے والا ہوں وہ تمہارے پاس بیٹھ کر ہی ہوسکتی ہے۔ تم کھڑی کیوں ہو؟ بیٹھو نا!" اس نے ایک بار پھر فاصلہ سمیٹ کر قریب آتے ہی نہایت بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھانا چاہا مگر الوینہ کو تو جیسے ہزار وولٹ کا کرنٹ چھو گیا تھا۔

"مسٹر زوار شاہ! مجھے یہ بے تکلفی بالکل پسند نہیں۔ سمجھے آپ......" بھرپور جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑاتی وہ اپنی ناگواری کا اظہار کرگئی۔ زوار شاہ کو شدید قسم کا دھچکا لگا۔ اس کے گمان میں نہ تھا کہ اس قسم کی صورت حال بھی پیش آسکتی ہے جبھی حیرت سے کئی ثانیوں تک حرکت کیے بنا اسے تکتا رہ گیا۔ الوینہ کے تاثرات سے چھلکتی نفرت ودرشتی ہی اسے ہوش میں لانے کا سبب بنی تھی۔ ورنہ یوں اپنا ہاتھ ہتک آمیز انداز میں جھٹک دیا جانا ہی اسے شدید مشتعل کرگیا تھا۔ جبھی اس کی کلائی اپنے فولادی ہاتھ میں جکڑ کر جھٹکے سے اپنے قریب کھینچ کر وہ جارحانہ انداز میں حلق کے بل چیخا۔

"سنو لڑکی...... تم کون ہو؟ کہاں سے آئی ہو مجھے اس سے بالکل غرض نہیں۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں یہاں انسان تو کیا پرندہ بھی ہمارے حکم کا منتظر رہتا ہے۔ یہاں کے ہر مکین کی طرح تم بھی ہماری رعایا، ہماری غلام سے بڑھ کر ہرگز نہیں ہو سمجھیں تم......؟ تم سے اگر میں آرام سے بات کرلیتا ہوں تو خود کو کچھ سمجھ کر خوش فہم ہونے کی ضرورت نہیں ایک ہی جھٹکے میں قدموں سے کھینچ لینا مجھے خوب اچھی طرح آتا ہے۔ یاور کے ہاتھ بدتمیزی کی تمہیں کڑی سزا ضرور مل جاتی مگر میں نے درگزر سے کام لیا لیکن اپنے لیے تمہارا یہ گستاخانہ لب ولہجہ بالکل برداشت نہیں کروں گا۔ اتنے جرائم کے بعد بھی تم سے رعایت کی گئی تو کیوں صرف میری وجہ سے کہ تم عام لوگوں کی طرح عام نہیں رہیں۔" زوار شاہ ہونٹ سکوڑے چبا چبا کر بات کرتا ہوا اس کے ہراساں چہرے پہ نگاہ ڈال کر اس کا بازو چھوڑتے ہوئے کچھ فاصلے پہ ہوگیا۔ جیب سے سگریٹ کیس نکال کر سگریٹ سلگایا۔ دو چار گہرے کش لینے کے بعد پھر اس کی سمت متوجہ ہوا تو اسے اپنی کلائی سہلاتے دیکھ کر جانے کیوں مسکرایا۔

"تمہاری منگنی ہوچکی ہے؟ خیر ہو بھی چکی ہو تو مجھے پروا نہیں۔" بغلی جیب ٹٹول کر ویلوٹ کی انتہائی نفیس چھوٹی سی ڈبیا برآمد کی اور ڈبیا کھول کر انگوٹھی نکالی اور اس کا ہاتھ زبردستی پکڑتے ہوئے انگوٹھی اسے پہنا دی۔ "آج سے تم زوار شاہ سے منسوب ہو۔" اس کا ہاتھ نرمی سے دبا کر چھوڑتا ہوا وہ اپنے مخصوص ہٹ دھرم لہجے میں بولا۔ "اس احساس سمیت خود پہ نازاں ہوجاؤ کہ تم زوار شاہ کی پسند ہو۔" اس کے چہرے پہ گرتی جھولتی لٹ کو پکڑ کر جھٹکے سے چھوڑتا ہوا وہ ذومعنی انداز میں مسکراتا ہوا پلٹ گیا۔ جبکہ وہ اس قدر ششدر تھی کہ خود کو حرکت تک نہ دے سکی۔

❀......❀......❀

اس نے خالہ بی کو ہی اپنا سب کچھ سمجھا تھا مگر حقیقت یہ تھی کہ سفاکی نے کئی روز تک خود سے بے گانہ رکھا تھا۔ آذر اس کی میڈیکل کی تعلیم سے فراغت کے بعد اس سے شادی کا خواہاں

http://primenovels.blogspot.com/
http://primenovels.blogspot.com/

تھا۔ وہ اچھا لڑکا تھا۔ پڑھا لکھا اور سوبر شاید اسے بھی اعتراض نہ ہوتا اگر وہ اس رات غیر ارادی طور پر خالہ بی کی باتیں نہ سن لیتی۔ اگلے دن اس کا آخری پریکٹیکل تھا اور رات گئے تک جاگنا اس کا معمول تھا۔ چائے کی طلب اسے کمرے سے نکال کر کچن میں لے جا رہی تھی۔ جب آذر کی آواز اسے ٹھٹکنے پر مجبور کر گئی۔

"مگر اماں آپ کیوں چاہتی ہیں کہ میں الوینہ سے شادی نہ کروں جبکہ آپ جانتی ہیں کہ میں اس سے......؟"

"جانتی ہوں بیٹے! مگر میں بے بس ہوں۔ الوینہ میرے پاس پرائی امانت ہے۔ امانت دار کسی بھی وقت مجھ سے اس کا تقاضہ کر سکتا ہے۔"

"کیا مطلب ہے اماں؟" باہر کھڑی الوینہ کی طرح آذر بھی الجھ گیا تھا۔

"ابھی وقت نہیں آیا آذر کہ میں حقیقت کو کھولتی مگر تمہیں تمہارے ارادوں سے باز رکھنے کی خاطر مجھے قبل از وقت یہ سب کہنا پڑ رہا ہے۔ الوینہ میری سگی بھانجی نہیں ہے۔"

"کیا......؟" آذر کی آواز آئی۔ جبکہ باہر کھڑی الوینہ سن پڑ گئی۔

"ہاں آذر الوینہ میری بچپن کی سہیلی کی اکلوتی اولاد ہے۔ اسے کس قسم کے حالات درپیش ہوئے تھے مجھے زیادہ خبر نہیں، بس اتنا پتا ہے کہ وہ شادی سے پہلے کسی سرکاری اسکول میں پڑھاتی تھی پھر اس کا تبادلہ کسی گاؤں میں ہو گیا تو ہمارا آپس میں ملنا جلنا بھی نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔ میری شادی ہو چکی تھی۔ تم دو تین سال کے تھے جب ایک دن اچانک وہ میرے گھر پناہ لینے چلی آئی۔ اس کی ماں مر چکی تھی اور اب وہ تنہا تھی، اسے سہارے کی ضرورت تھی مجھے اسے پناہ دینا پڑی کہ وہ میری بہت اچھی دوست تھی اور اب دنیا میں بالکل تنہا۔ میں چاہتی تھی کوئی ڈھنگ کا رشتہ دیکھ کر اس کی شادی کر دوں مگر انہی دنوں مجھ پر انکشاف ہوا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ تب اس نے بتایا تھا کہ اس کی شادی ہو چکی ہے اور شوہر نے اسے طلاق دے دی جانے کیوں، مجھے یہ فرضی کہانی محسوس ہوئی۔ چند ماہ بعد اس کے ہاں الوینہ نے جنم لیا تو اس کی پیدائش پہ کچھ پیچیدگیوں کے باعث وہ بیمار رہنے لگی۔ الوینہ بمشکل ایک آدھ سال کی ہوگی جب ایک رات وہ چپکے سے مر گئی۔ مرنے سے پہلے اس نے مجھے کچھ بھی ایسا نہیں بتایا جس سے میں الوینہ کا کچھ سوچ سکتی۔ بس اس نے ایک بات کی تھی کہ جب یہ بڑی ہو جائے اور تمہیں اس کی زندگی کا کوئی فیصلہ کرنا ہو تو اسے اس کے باپ کے حوالے کر دینا۔ اس کا باپ کوئی عام آدمی نہیں ہے......"

خالہ بی مزید کچھ کہہ رہی تھیں مگر اس کی سائیں سائیں کرتی سماعتیں جیسے کچھ سننے سے قاصر تھیں۔ وہ کس طرح اپنے کمرے میں آئی اسے یاد نہیں تھا اس سنگلاخ حقیقت کو تسلیم کرنا بہت ہمت کا کام تھا اس پہ آذر کا رویہ جواب اس سے نگاہ چراتا اور کترایا سا رہتا تو اسے خود سے نگاہ ملانا دشوار ہو جاتا۔ یقیناً اس کا باپ کوئی برا آدمی ہوگا کہ آذر اسے اپنانے کا فیصلہ یوں یکبارگی بدل گیا پھر اس نے کسی نہ کسی طرح خود کو سنبھال لیا تھا۔ میڈیکل کی مہنگی ترین تعلیم پر خالہ بی نے اس پر اتنی رقم کہاں سے خرچ کی؟ اکثر وہ یہ سوچ کر پریشان ہوا کرتی تھی مگر کبھی ان سے پوچھا نہیں پھر وہ جیسے خود میں سمٹ کر ہنسنا بولنا بھی بھول گئی۔ آذر کی شادی ہوئی تو اس پر زندگی کا ایک اور تلخ روپ عیاں ہو گیا۔ آذر کی بیوی اس کے حوالے سے آذر پر شک کرتی تھی۔ اس کی حد سے بڑھی ہوئی خوب صورتی اس کے لیے وبال جان بنتی جا رہی تھی۔ ہاؤس جاب مکمل ہوتے ہی اسے یہاں ٹرانسفر کیا گیا تو خالہ بی کی مخالفت کے باوجود وہ یہاں چلی آئی تھی مگر اب زوار شاہ کا جارحانہ مجنونانہ انداز اسے اندر سے خائف کر کے فرار پہ اکسا رہا تھا مگر بدقسمتی سے وہ کہیں بھی بھاگنے سے قاصر تھی۔

❀......❀......❀

پراگندہ الجھے ہوئے ذہن اور غیر متوازن چال سمیت گھر آتے ہی چارپائی پہ ڈھے گئی تھی۔ شام ڈھل چکی تھی۔ سردیوں کی اداسی کے احساس سے بوجھل رات دھرتی پہ اپنا تسلط جمانا ہی چاہتی تھی زوار شاہ سے یوں مقابلہ کرنا اس کے بس کا کام نہیں تھا اور کٹ پتلی بن کر اس کے اشاروں پہ ناچنا بھی اسے کسی طور گوارا نہ تھا۔ اس کا یہ طرز عمل اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا تھا۔ خالہ بی کا گھر جسے وہ بہت زعم سے چھوڑ آئی تھی، ایک بار پھر وہیں جانے کا خیال ہی اس کا دل بوجھل کرنے لگا مگر اس کے سوا کچھ اور چارہ کار بھی تو نہ تھا۔ اس گھر میں بے شک اس کی جگہ نہ تھی مگر اس چار دیواری میں عزت تو محفوظ تھی اور اسی عزت کے تحفظ کے لیے وہ ہر قیمت چکانے کو تیار تھی۔ فیصلہ ہوا تو پھر عمل میں دیر مناسب نہیں تھی، اسکول، کالج، یونیورسٹی میں دوران تعلیم وہ خود پر چونکنے کے انداز میں اٹھ کر ٹھہر جانے والی نگاہوں کی ستائش سے بہت پہلے سے ہی آگاہ ہو چکی تھی۔ کالج اور یونیورسٹی میں کئی لڑکے اس کی طرف بڑھے تھے مگر اس کے خشک رویے سے بددل ہو کے خود ہی پیچھے ہٹ گئے تھے مگر اب وہ محسوس کر رہی تھی کہ زوار شاہ کی نفسیات ان سب مردوں سے الگ ہے، جن سے اب تک اس کا واسطہ پڑتا رہا تھا۔ زوار شاہ کی طبیعت میں حاکمیت تھی۔ جو چیز پہنچ سے دور محسوس ہوتی اسے چھین کر حاصل کرتا اور توڑ پھوڑ ڈالتا اور اسے اپنی عزتِ نفس اور ناموس بہت عزیز تھی۔ اسی لیے بہت خاموشی سے اس نے وہاں سے راہ فرار اختیار کی تھی۔

❀......❀......❀

"وہ چلی گئی، مگر کہاں؟" وہ بھونچکا سا کھڑا تھا۔ بوڑھی ملازمہ اس کے متوقع عتاب سے لرزتی ہوئی ہاتھ جوڑ کر نفی میں سر ہلانے لگی۔

"مجھے نہیں پتا شاہ سائیں! میرا رب جانتا ہے، وہ جانے سے پہلے مجھے کچھ بتا کر نہیں گئی۔ بس یہ رقعہ دیا تھا۔" بوڑھی ایک بار پھر گڑگڑائی اور چادر کے پلو میں بندھا رقعہ لرزتے ہاتھوں سے کھول کر اس کی سمت بڑھا دیا۔ وہ جولب بھینچے ضبط کی کڑی منزل پر کھڑا تھا یک لخت اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"اس کتیا کی یہ جرأت کہ وہ زوار شاہ کو چکما دے جائے اور تو......" اس نے ہاتھ گھما کر بڑھیا کے منہ پہ دے مارا جو دلدوز چیخ سمیت الٹ کر دور جا گری۔ وہ دروازے کو ٹھوکر رسید کرتا باہر آ گیا۔ ہاتھ میں پکڑے رقعے کا خیال آیا تو وہیں کھڑے کھڑے کھول لیا۔

"مسٹر شاہ...... ڈاکٹر الوینہ کوئی ایسی گری پڑی لڑکی نہیں کہ تم جیسے اوباش کے ہاتھوں خود کو کھلونا بنا ڈالتی۔ تمہاری زبردستی پہنائی گئی انگوٹھی خالہ بی کو دیے جا رہی ہوں، تمہاری مرضی ہے چاہو تو وصول کر لو۔ اور ہاں ایک بات اور تم جیسے بدکردار انسان سے تعلق میرے لیے باعث شرمندگی تو ہو سکتا ہے فخر یا اعزاز نہیں۔ مجھے ڈھونڈنے کی کوشش مت کرنا۔ مجھے تمہاری صورت تک سے نفرت ہے۔ اب اپنے زخم چاٹتے رہو۔" زوار شاہ کی برداشت جواب دے گئی اس نے رقعہ کے پرزہ پرزہ کر کے ہوا میں بکھیر دیے۔

"بہت بڑی بھول میں ہو تم ڈاکٹر الوینہ! زوار شاہ تمہیں پاتال سے بھی نکال لائے گا سمجھا کیا ہے تم نے مجھے۔ پہلے تم جو کچھ تھیں اب صرف زوار شاہ کی ضد اور انتقام ہو۔ ایک بار سامنے آ جاؤ دیکھنا کیا حشر کرتا ہوں۔" اس کے لہجے میں غراہٹ در آئی تھی۔

❀......❀......❀

بوڑھی ملازمہ پر تشدد کرنے کے بعد بھی وہ یہ اگلوانے میں ناکام رہا تھا کہ الوینہ کہاں ہے ماسوائے اس کے کہ وہ لاہور میں رہتی ہے۔ یقیناً بوڑھی ملازمہ کو اتنا ہی علم تھا ورنہ اس بڑھاپے میں اپنی ہڈیاں کوئی بھی تڑوانا پسند نہیں کرتا اور پچھلے ایک ہفتے سے وہ سب کچھ بھلائے لاہور کی خاک چھان رہا تھا مگر وہ تو یوں غائب تھی جیسے کبھی یہاں آئی ہی نہ ہو، اس کے تین ملازم بھی اسی تلاشِ گمشدہ مہم میں اس کے ساتھ شریک تھے، جن میں میرل تو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا۔ شام ڈھلے وہ لاہور میں موجود اپنی رہائش گاہ پر واپس آیا تو اسحاق شاہ کو اپنا منتظر پا کر بری طرح چونکا۔

"خیریت ہے...... جان! شہر میں کیا دلچسپی سمٹ آئی کہ تم یہیں کے ہو کر رہ گئے؟" اس کے حلیے کو دیکھتے ہوئے انہوں نے سرسری سے لہجے میں کہا تو زوار شاہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑا۔

"کچھ نہیں بابا سائیں! بس یونہی......"

"یونہی نہیں جان من! ہمیں تو کچھ اور ہی چکر لگتا ہے۔" انہوں نے اس کے مضبوط شانے پر ہاتھ رکھ کر اپنی بات پہ زور دیا تو زوار شاہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"کیسا چکر بھلا......"

"پیار و محبت کا چکر...... لگتا ہے میرے پتر کو کوئی شہری کڑی پسند آ گئی ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تو زوار شاہ نگاہ جھکا گیا اور اسحاق شاہ زور سے ہنس پڑے۔ "موج کر میرے شیر۔ یہ جوانی شے ہی ایسی ہے۔ اس میں ایسی رنگینیاں نہ ہوں تو دل گھبرانے لگتا ہے۔ فکر نہ کر گاؤں کی، ادھر میں ہوں ناں۔" انہوں نے اس کے مضبوط چوڑے وجود کو بازوؤں میں لے کر تھپکا تو زوار شاہ کچھ کہے بنا اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں آ گیا۔

"ایک بار مل جاؤ ڈاکٹر الوینہ...... میں اپنے اندر بھڑکتی آگ میں تمہیں جلا کر خاکستر نہ کر دوں تو کہنا۔" سگریٹ کا کش لیتے ہوئے وہ الوینہ کے تصور کو دھمکانے لگا۔

❀......❀......❀

الوینہ کو دیکھ کر خالہ بی ششدر رہ گئیں۔ پھر جو دوڑ کر اس

http://primenovels.blogspot.com/

سے لپٹیں تو اسے بازوؤں میں بھینچ کر کتنی دیر تک روتی رہیں۔

"مجھے پتا تھا تو ناراض ہوگئی تھی مجھ سے دھی رانی! بتا میں نے کب تجھ سے کوئی فرق کیا۔ وہ تو بس......"

"چھوڑیں خالہ بی! میں آپ سے خفا نہیں تھی۔" اس نے رسانیت سے کہہ کر گویا بات ہی ختم کردی تھی آذر کی بیوی نے اسے دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی جبکہ آذر محتاط قسم کی خاموشی کی بکل مارے رہا۔

اس نے خالہ بی کو وہاں کے حالات کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔ ان کے استفسار پر اس نے محض یہ کہا کہ وہ چند دنوں کی چھٹی پر آئی ہے۔ اسی جواب میں امان تھی۔ اس روز بھی وہ کسی کام سے نکلی تھی۔ خالہ بی کے گھر کا ماحول اسے وحشت میں مبتلا کردیا کرتا تھا۔ رات ہی آذر کی بیوی نے ایک بار پھر اس کی واپسی کو بنیاد بنا کر خوب جھگڑا کیا تھا اور الوینہ ان حالات سے پریشان ہوئی تھی اور تقدیر کو شاید ابھی اس کی مزید آزمائش درکار تھی کہ بس کے انتظار میں کھڑی الوینہ پر زوار شاہ کی نظر اٹھی اور اٹک کر رہ گئی۔ لائٹ گولڈن سادہ لباس اور بلیک بڑی سی شال میں وہ اسے ہزاروں کے مجمع میں بھی بآسانی پہچان سکتا تھا۔ سیاہ مرسڈیز کے انجن کو وہیں اسٹارٹ چھوڑ کر وہ جیب میں موجود ریوالور کی موجودگی کا یقین کرتا ہوا دروازہ کھول کر نکلا اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا اس کے سر پر جا پہنچا۔

"اب بتاؤ ڈاکٹر صاحبا زوار شاہ سے بچ کر کہاں جاؤ گی؟" اس کی کلائی اپنے فولادی پنجے میں جکڑ کر جھٹکے سے کھینچ کر اسے اپنے سامنے کرتا ہوا وہ سفاکی سے بولا تو الوینہ اسے یوں روبرو پا کے حیرت کی زیادتی سے قوت گویائی کھوگئی۔

"آؤ میرے ساتھ...... بہت سے حساب بے باق کرنے ہیں تم سے۔" وہ اس پہ جھک کر تختی سے کہتے ہوئے اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا لے گیا۔ الوینہ اس قدر حیرت زدہ تھی کہ بغیر کسی مزاحمت کے اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔ گاڑی کے قریب آ کر اس نے پچھلا دروازہ کھول کر اسے پھینکنے کے انداز میں سیٹ پر پٹخا اور پلٹ کر میرل کو گاڑی ڈرائیو کرنے کا حکم دیتا ہوا اس کے برابر آ بیٹھا۔

"یہ...... یہ کیا کررہے ہو! کہاں لے جارہے ہو مجھے۔ چھوڑ دو پلیز مجھے جانے دو۔" گھبراہٹ و سراسیمگی نے یکبارگی اسے دہشت کے حصار میں مقید کرکے رحم سے عاری اس اکھڑ سفاک شخص کے سامنے گڑگڑانے پر مجبور کردیا۔ گاڑی جھٹکے سے آگے بڑھی تب وہ بالکل ہی روہانسی ہو اٹھی۔ "پلیز...... پلیز زوار شاہ مجھے جانے دو۔" اب کے اس نے باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے تب وہ جو کانوں میں کڑوا تیل ڈالے اس کی آہ و بکا سے بے نیاز اطمینان بھرے انداز میں سگریٹ کے گہرے گہرے کش لے رہا تھا۔ اس کی جانب رخ پھیرتا ہوا بے ساختہ ہنس پڑا۔

"اب آئی ہو لائن پر...... گڈ مگر کیا کریں ڈیئر! زوار شاہ تمہاری اس گزارش کو قبول کرنے سے قاصر ہے۔ ابھی تو تمہیں یہ بتانا ہے کہ تمہارے یوں بنا بتائے چلے آنے سے ہم کس قدر پریشان ہوئے پھر تمہارا خط پڑھ کر زوار شاہ نے کس طرح خود کو کنٹرول کیا۔ اپنے جرائم کی سزا تو بھگت لو پھر چلی جانا۔ اتنی جلدی کیا ہے؟" اس کا رخسار سہلا کر وہ جس بے باک و بے حجاب انداز میں گویا ہوا تھا' وہ کتنی ہی دیر بولنے کی قابل نہیں رہ پائی۔ تیز رفتاری سے دوڑتی ہوئی گاڑی اس کا دل ہولانے کا باعث تھی۔

"مم...... مجھے معاف کردو۔ د...... دیکھو میں آئندہ......"

"شٹ اپ بکواس بند کرو۔ سنا تم نے' بالکل چپ ہوجاؤ' ورنہ میں اس ملازم کی پروا کیے بغیر تمہارے غرور کو خاک میں ملادوں گا...... سمجھیں تم۔" وہ اس پہ جھک کر جس خوف ناک لہجے میں دھمکی دے رہا تھا اس نے الوینہ کے جسم سے جان کھینچ لی۔ وہ ساکن پلکیں لیے بے حواس بیٹھی رہ گئی تھی۔ زوار شاہ کی سنگین دھمکی نے سہم کر وہ ایسی خاموش ہوئی تھی کہ پھر منہ سے ایک لفظ نہیں نکلا مگر سسکیوں اور ہچکیوں پر اس کا اختیار نہیں تھا۔ سارے راستے وہ یونہی گھٹ گھٹ کے روتی آئی تھی۔ زوار شاہ کی گاڑی ایک شاندار بنگلے میں آ کر رکی تھی پھر وہ اسے یونہی بھیڑ بکری کی طرح گھسیٹتا ہوا ایک کمرے میں دھکیل کر باہر سے دروازہ مقفل کرکے جاچکا تھا۔ سن ہوتے اعصاب اور تاریک ہوتے ذہن کے ساتھ وہ پچھلے چوبیس گھنٹوں سے بھوکی پیاسی یہاں قید تھی۔ میرل تینوں وقت کا کھانا اسے پہنچاتا رہا تھا مگر کھانے کی طرف اس نے آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنا گوارا نہیں کیا۔ اس عرصے میں زوار شاہ خود ایک بار بھی سامنے نہیں آیا تھا۔ اس سے وہ قطعی سمجھ نہیں پائی تھی کہ وہ اس سے کیا چاہتا ہے۔ اگر اس کا مقصد اپنی تذلیل یہ یوں اسے یہاں مقید رکھ کر اپنی انا کو تسکین پہنچانا تھا تب بھی اس کے اس اقدام نے کم از کم اس پر زندگی کے دروازے بند کرڈالے تھے۔ رو رو کر اس کی آنکھیں سوج چکی تھیں اور سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ جب دروازہ کھول کر زوار شاہ بالکل تر و تازہ کھلا کھلا سا اندر چلا آیا۔

"کیسی ہو تم؟" اس کے پاس آ کر جھکا اور ہاتھ بڑھا کر اس کے الجھے بال بکھیر دیے۔ الوینہ نے نفرت کے شدید احساس سمیت اس کا ہاتھ جھٹک کر سر اچھی طرح ڈھانپ لیا۔

"مجھے ہاتھ مت لگانا۔" وہ حلق کے بل غرائی تو زوار شاہ زور سے ہنس پڑا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم بہت خاص ہو' جبھی تمہارے معاملے میں میں خاص اہتمام کرنا چاہ رہا ہوں' یعنی تمہیں توڑنا نہیں چاہتا' چھین جھپٹ نہیں مکمل آمادگی کے ساتھ تمہیں پانا چاہتا ہوں۔ ٹھیک ہے نا۔" انداز میں بلا کی وارفتگی سمیٹے وہ سرگوشی سے ذرا بلند لہجے میں گویا تھا۔ الوینہ کے چہرے پہ موجود نفرت میں حقارت سمٹ آئی۔

"میں مرنا پسند کروں گی اس سے پہلے...... سنا تم نے۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر چیخی تو زوار شاہ کے چہرے کا نرم سا تاثر برہمی میں بدلنے میں صرف ایک پل لگا۔

"مجھے ضد پر مت اکساؤ الوینہ...... میں بتا چکا ہوں کہ تم میرے لیے عام لڑکی نہیں ہو۔ شاید زوار شاہ کو تم سے محبت ہوگئی ہے۔" وہ بولا تو اس کے چہرے سے بے بسی کا اظہار چھلکا تھا۔ الوینہ نے قدرے چونک کر مشکوک نظروں سے اسے دیکھا اور اس کی ان نگاہوں کو سمجھ کر ہی جیسے ہارے ہوئے انداز میں بولا تھا۔ "دیکھو تم پچھلے چوبیس گھنٹوں سے میرے پاس ہو' کون تھا جو مجھے میری کسی بھی جسارت سے روک پاتا؟ تم مجھے میرے کسی بھی ارادے سے باز نہیں رکھ سکتی تھیں لیکن میں ایسا نہیں کرنا چاہتا الوینہ! میں تمہیں ایک بار نہیں حاصل کرنا چاہتا' میرا مقصد تمہیں بکھیرنا یا توڑنا نہیں ہے۔" وہ اس بار لجاجت سے بولا مگر الوینہ کے چہرے پہ موجود تاثرات ہنوز تنے ہی رہے۔

"تم ختم کرچکے اپنی تقریر؟" وہ چیخی تھی تب زوار شاہ نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ حیران ہوا۔

"اس قسم کی بکواس سے اگر تم یہ چاہتے ہو کہ مجھے متاثر کرلو گے تو یہ تمہاری بھول ہے۔" وہ تنک کر درشتی سے بولی تو زوار شاہ ضبط کھو بیٹھا اور اس کے قریب آ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر بھینچ ڈالا۔

"تمہیں میری بات کا یقین نہیں؟ مجھے اس کی پروا نہیں ہے' شاید تمہیں میرا جائز راستہ پسند نہیں' مگر مجھے ضد پر مت اکساؤ' تمہارے پاس بس آج کا دن ہے پھر ہمارے درمیان موجود تمام فاصلے سمٹ جائیں گے' تم جو کر سکو کرلینا۔" اسے جھٹک کر وہ باہر نکل گیا۔ الوینہ ساکت رہ گئی۔

❀......❀......❀

اس نے آئینے میں اپنے یکسر بدلے ہوئے روپ کو نگاہ بھر کے دیکھا اور سر جھکا کر سسک اٹھی زوار شاہ سے نکاح اس کی مجبوری تھی ورنہ وہ اپنا کہا پورا کر گزرتا اور وہ کم از کم ایسا نہیں کرسکتی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ کار نہ تھا۔ مجبوراً یہ زہر پینا پڑا تھا۔ زوار شاہ اندر آیا تو اسے دیکھ کر لمحہ بھر کو ٹھٹک گیا پھر اپنے پیچھے آتے میرل کو اشارے سے ہاتھ میں پکڑا تھال الوینہ کے پاس رکھنے کو کہا۔ میرل نے جھک کر تھال الوینہ کے قدموں میں رکھا اور پلٹ کر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

"یہ تمہارا حق مہر ہے اسے جیسے چاہو خرچ کرو' مجھے اس سے غرض نہیں۔ تمہارا نکاح کا یہ فیصلہ مجھے اچھا لگا۔ ایک سال تک تمہیں آزاد چھوڑ رہا ہوں جہاں مرضی رہو لیکن ایک شرط ہے؟" وہ قدم بڑھا کر اس کے قریب آ کر آہستگی سے بولا تو الوینہ نے ڈبڈبائی نظروں سے اسے دیکھا۔ "اس عرصے میں ذہن و دل کو میری طرف مائل کرلینا۔ میں نے کہا تھا نا کہ میں تمہیں تمہاری رضا و رغبت سے حاصل کرنا چاہتا ہوں' مجھے پتا ہے اس وقت تمہارے دل میں میرے لیے نفرت کے سوا کچھ نہیں اور جو پائیدار بندھن میں نے تم سے باندھا ہے' وہ اس نفرت کی بجائے محبت خلوص اور وفا کا متقاضی ہے' ابھی تو میرے لیے یہ احساس کافی ہے کہ تم میری منکوحہ ہو۔ میں نے اپنی ضد پوری کرلی ہے اس لیے خود کو خاصا پُرسکون محسوس کررہا ہوں۔" الوینہ جو بالکل خاموشی سے اس کی بات سن رہی تھی ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"شکریہ بہت آپ کا...... اس احسان کا لیکن مسٹر شاہ...... ایک بات آپ بھی سن لیں کہ یہ نکاح میں نے مجبوراً کیا ہے آپ سے' جانتے ہو کیوں؟ صرف اپنی عزت کی حفاظت کرنے کی خاطر کہ اس کے سوا میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا تھا مگر یہ آپ کی بہت بڑی بھول ہے کہ میرے دل پر زبردستی قابض ہوجاؤ گے۔ ایک بات یاد رکھنا کہ میں کبھی بھی تم سے محبت نہیں کرسکوں گی۔" وہ انتہائی حقارت سے کہہ کر تنفر بھرے انداز میں پلٹی تو اس کے اس قدر اہانت آمیز انداز پر

http://primenovels.blogspot.com/

http://primenovels.blogspot.com/

http://primenovels.blogspot.com/

بھڑ بھڑ جلتا ہوا زوار شاہ جیسے ضبط کھو بیٹھا۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم پر میرا ہاتھ اٹھے' مگر تم مجھے اس پر اکسا رہی ہو کہ میں......" وہ فضا میں اٹھا ہوا ہاتھ نیچے گراتا ہوا جیسے بے بس سا ہو کر بولا۔ "ٹھیک ہے یونہی سہی' تم آمادہ نہیں ہو تو جبر سہی۔ میں ہر حال میں تمہیں حاصل کر کے رہوں گا۔" اس کا موڈ پل بھر میں بدلا تو الوینہ کے ہاتھوں پیروں میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ معاً اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا وہ بھاگی اور واش روم میں جا گھسی۔ دھماکے سے دروازہ بند ہونے پر زوار شاہ نے چونکتے ہوئے پلٹ کر دیکھا۔

"دروازہ کھولو الوینہ۔" اس نے بند دروازے پر لات رسید کی اور پوری قوت صرف کر کے چیخا۔

"نہیں...... کبھی نہیں' دیکھو زوار شاہ! میرے ساتھ ایسا مت کرو۔ اگر تم نے زبردستی کی تو میں خودکشی کرلوں گی۔" وہ اندر سے چلائی۔ زوار شاہ ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا۔ اس کا کھولتا ہوا ذہن ٹھنڈنے لگا تھا۔

❁......❁......❁

وہ تین دن گھر سے غائب رہی تھی اور کوئی ٹھوس بہانہ بھی نہیں تھا جو گھڑ لیتی۔ اب اس کے پاس اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ وہ زوار شاہ کی بات مانتے ہوئے گاؤں آ کر اسپتال کا چارج سنبھال لے۔ قسمت کے سامنے ہر ذی روح ہمیشہ سے بے بس رہا ہے اور وہ بھی تھی۔ اس نے جیسے تیسے حالات سے سمجھوتا کرلیا تھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا بس وہ اپنے اندر ایک تبدیلی محسوس کر رہی تھی۔ زوار شاہ کی منکوحہ کی حیثیت سے اس کی پوزیشن جس قدر مضبوط ہوئی تھی اسی قدر نازک بھی۔ وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی اس قسم کے نکاح کو معاشرہ بری نظر سے دیکھتا ہے۔ حالات نے کچھ اس طور سے اسے اپنے شکنجے میں جکڑا تھا کہ وہ بے بس سی ہو کر رہ گئی تھی۔ زوار شاہ بے باک اور شہ زور تھا پھر اب تو اپنی من مانی کا سرٹیفکیٹ بھی حاصل کرچکا تھا اگر وہ کسی بھی موقع پہ زبردستی پر اتر آتا تو اس کی پوزیشن بے حد بدترین ہو سکتی تھی۔ اس کا دل ہر وقت سوکھے پتے کی طرح کانپتا رہتا۔ زوار شاہ سے اس کا سامنا ہی بہت کم ہوتا' اگر کبھی اسپتال آتے جاتے راستے میں ٹکراؤ ہو بھی جاتا تو دور سے دیکھنے پر ہی اکتفا کرتا۔ اس سے جو اندازے الوینہ نے لگائے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ وہ اس سے اپنا تعلق عیاں ہو جانے سے خائف ہے۔

❁......❁......❁

"جان من! اتنا جذباتی ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ لڑکی میں نے دیکھی ہے بالکل عام سی ہے' اتنا تردد کیوں کر ڈالا؟" منشی سے حساب لے کر وہ اسحاق شاہ کے بیڈ روم میں آیا تو انہیں حقہ گڑگڑاتے دیکھ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ "میرا خیال ہے تم نے نکاح کر کے غلطی کی ہے پتر! اسے اتنا سر چڑھانے کی کیا ضرورت تھی؟ کل کلاں کو وہ کوئی بچہ گود میں اٹھائے چلی آئے گی۔ جائیداد میں حصے کی دعوے دار بن کے۔" وہ جوان کی پہلی بات پر ناسمجھی کے عالم میں انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس اگلی بات پر حیرت کی زیادتی سے گنگ رہ گیا۔ ان کی معلومات کے ذرائع اتنے بااثر تھے کہ وہ نکاح تک کو جان گئے۔ حالانکہ زوار شاہ نے رازداری برتنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ "اب یہ نہ کہنا جان جگر کہ مجھے بھلا کیسے پتا چلا؟ تم میری اولاد ہو' جس کام کا تم صرف سوچتے ہو مجھے اس کی خبر ہو جاتی ہے۔ تم نے لڑکی اٹھائی تھی ٹھیک ہے چند دن رکھ کے چھوڑ دیتے۔ تمہیں کیا یہ یاد دلانا پڑے گا کہ ہمارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا؟ پھر اس نکاح کی وجہ......" حقے کی نے ہاتھ سے پرے کرتے ہوئے وہ اس کے چہرے کے تغیر کو دیکھتے ہوئے نرمی سے گویا ہوئے۔

زوار شاہ لب بھینچے سرخ چہرہ جھکائے بیٹھا تھا۔ وہ جانتا تھا بابا سائیں نے اس سے قبل اس سے ایسی بات کبھی نہ کی تھی کہ ایسی نوبت بھی تو نہیں آئی تھی بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ صنف نازک میں اس نے اس حد تک دلچسپی کبھی نہیں لی تھی کہ بات دل لگی سے بڑھ کر دل کی لگی تک جا پہنچے۔ وہ تو الوینہ میں جانے ایسا کیا تھا کہ وہ چاہنے کے باوجود اس کے ساتھ کچھ بھی غلط نہیں کر پایا' یہاں تک کہ نکاح کے بعد بھی وہ اس کی مکمل مرضی کا خواہاں تھا۔ جبھی اس نے الوینہ کو اپنا پابند بنا کر آزاد چھوڑ دیا تھا۔ بابا سائیں تک یہ سنجیدہ معاملہ کس طرح پہنچا ہے یہ ابھی اس نے طے نہیں کیا تھا کہ انہوں نے اس طرح سے اس پر گرفت کر کے کئی ثانیوں تک گم صم کر چھوڑا۔

"ارے پتر! لڑکیاں تو تمہاری عمر میں ہم بھی اٹھواتے رہے ہیں مگر شادی تو کسی خاندانی عورت سے ہی کی جاتی ہے نا۔" پھر اس کے چہرے پہ الڈتے ناگواری کے سائے دیکھتے ہوئے بات پلٹتے ہوئے بولے۔ "خیر خیر...... تم خفا نہ ہو ہم نے تمہیں اپنے والد گرامی سے کہیں بڑھ کر رعایت دے رکھی ہے سو یونہی سہی لیکن پتر ایک بات دھیان میں رکھنا اس لڑکی سے

تمہاری کوئی اولاد نہ ہو۔ جب تک جی چاہے اسے رکھو لیکن میری شرط بس یہی ہے......" ان کی بات پوری سنے بغیر زوار شاہ جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔ زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اسے اپنے باپ کی کوئی بات بری لگی تھی۔ مگر وہ اتنا کبیدہ خاطر کیوں ہو رہا ہے' فی الوقت اس کے پاس اس کا جواب نہیں تھا۔ یونہی لب بھینچے قدم بڑھاتا باہر نکل گیا اور اسحاق شاہ اس کو پریشان نگاہوں سے دیکھتے رہ گئے۔

❁......❁......❁

موسم بدل رہا تھا۔ جاتی سردی موسم بہار کا سندیسہ سنا رہی تھی۔ اب صبح اور شام کے وقت خنکی محسوس ہوتی۔ دن بھر دھوپ میں تیزی رہتی۔ اس دو ماہ کے طویل عرصے میں الوینہ بہت بے دلی سے زندگی گزار رہی تھی۔ ایک مقصد جس کا عزم لے کر وہ پہلی بار یہاں آئی تھی وہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔ زوار شاہ کی جانب سے اٹھایا گیا یہ انتہائی قدم اسے بے دلی اور اکتاہٹ کا شکار کر گیا تھا۔ دو ماہ گزرنے کے باوجود بھی وہ ذہنی طور پر اس بندھن کو تسلیم نہ کر پائی تھی تو اس کی وجہ زوار شاہ سے وہ نفرت و عداوت تھی جو اسے پہلے روز ہی اس سے محسوس ہوئی تھی۔ جب بھی وہ اس کے متعلق کچھ سوچتی تو دل گھبرا سا جاتا' اپنی اس کیفیت سے وہ خود بھی خاصی پریشان تھی۔ وہ بھی ایک ایسا ہی دن تھا اسپتال سے آ کر ابھی وہ بیٹھی ہی تھی کہ رانو' زوار شاہ کی ملازمہ جو اس کی خدمت پہ مامور تھی' نے اسے کھانے کے متعلق پوچھا جس کے بے زار سے جواب میں "بعد میں" کہہ کر پھر سے پہلی پوزیشن میں بیٹھ گئی۔ جب بیرونی دروازے پہ کھٹکا محسوس کر کے وہ سر اٹھا کر ادھر متوجہ ہوئی اور اگلے ہی لمحے جیسے تمام حسیات جو بیدار ہوگئی تھیں زوار شاہ کی بجائے وہ خالہ بی ہی تو تھیں۔ چند ثانیوں تک ساکن پلکیں اور منجمد وجود لیے وہ یونہی بیٹھی رہ گئی تھی مگر اگلے ہی لمحے وہ خود پر ضبط نہیں رکھ پائی تو اٹھ کر بھاگتی ہوئی ان کے گلے جا لگی۔

"پتر ایسی بھی کیا ناراضگی تھی بنا بتائے ہی چلی آئیں۔" خالہ بی کا شکوہ بجا تھا مگر اسے ان سے زیادہ دھیان زوار شاہ کی موجودگی کا تھا جو بے چینی بن کر روح میں سرایت کر گیا۔ خالہ بی کو اندر بٹھا کر وہ چہرے پر کشیدگی لیے اس کے سامنے تھی۔

"کیوں آئے ہیں؟"

"کیوں...... اب میں تم سے ملنے بھی نہیں آسکتا؟" وہ اس کے بیزار انداز کو محسوس کر کے چڑا تھا۔ الوینہ متنفر زدہ تاثرات لیے دوسری سمت دیکھتی رہی۔

"ایسا استقبال بھی ہمارا تو نہ ہوا؟" مزاج کے خلاف وہ شاکی ہوا تھا۔ "خالہ بی روز روز نہیں آتیں۔" وہ جواباً پھنکاری۔

"وہ تو اگر ہم بھی روز روز نہ آئیں تو ہمارا ایسا استقبال ہوسکتا ہے؟" متبسم آنکھیں شرارت سے چمکیں۔

"یہ حسرت ہی رہے گی۔" وہ منہ پھیر کے کہتی ہوئی سلگی۔

"دیکھو الوینہ! تم مجھے غصہ دلا رہی ہو۔" اس کا بازو پکڑ کر رخ اپنی سمت کرتا ہوا وہ بہت ضبط سے بولا تو جانے کیوں الوینہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"اگر میں کہوں کہ مجھ سے توقعات وابستہ کرنا چھوڑ دو ورنہ ایسی ہی جھنجلاہٹ......"

"بس......" وہ ہاتھ اٹھا کر ٹوکتا ہوا برہمی سے بولا تو الوینہ نچلا لب ہونٹوں تلے داب کر اسے دیکھتی رہی۔

"تم مجھے مجبور کر رہی ہو کہ میں انتہا پر جا پہنچوں۔" وہ ضبط کرتے ہوئے بھی جیسے پھٹ پڑا۔ اب کی بار الوینہ نے اس کی بات کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ غصے میں تنتناتا ہوا جھٹکے سے مڑ کر چلا گیا تو الوینہ کے لبوں کے گوشوں میں مچلتی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ زوار شاہ کو زچ کرنے کے بعد وہ یونہی خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتی تھی۔

❁......❁......❁

وہ کئی دنوں سے اکتایا ہوا اور بیزار سا لگ رہا تھا۔ بابا سائیں نے اس کی اس کیفیت کو محسوس کیا تو اس کے پاس چلے آئے۔

"کیا بات ہے جان جگر! بہت پریشان لگ رہے ہو؟" انہوں نے لگاوٹ بھرے انداز میں کہتے ہوئے اس کے گھنیرے بال بکھیر دیئے تو وہ صاف مکر گیا۔

"ایسی بات نہیں بابا سائیں۔"

"کیا اس ڈاکٹرنی سے جی بھر گیا میرے پتر کا' تین لفظ بول اور جان چھڑا لے وہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔" انہوں نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ وہ لب بھینچے خاموش رہا تھا۔ "شکار پر چلا جا۔" انہوں نے کہا پھر یاور اور اس کے دوستوں کے ساتھ زبردستی اسے شکار پہ بھیج دیا۔ یہ بات یاور نے بھی بہت شدت سے محسوس کی کہ وہ بجھا بجھا ہوا سا لگ رہا تھا۔ ایک آدھ جو نشانہ لگایا وہ بھی خطا رہا۔ اس کے دوستوں نے مذاق اڑانا چاہا تو انہی سے الجھ گیا۔ بات ہاتھا پائی سے بھی آگے بڑھ گئی۔ یہ اس کے

http://primenovels.blogspot.com/

گاؤں کے پلے نہیں تھے جو اس کا کھا کر دم ہلاتے رہتے۔ یہ شہر کے پڑھے لکھے بڑے گھرانوں کے لڑکے تھے سو خاموش نہیں رہے۔ ان میں سے ایک نے جوش میں آ کر فائر کھول دیا جس سے زوار اچھا خاصا زخمی ہو گیا تھا۔ یاور اتنا گھبرا گیا کہ سب کچھ یونہی چھوڑ کر اسے لیے واپس حویلی چلا آیا۔ رات کے تقریباً گیارہ بجے کا عمل ہوگا جب یاور الوینہ کو بلانے اس کے گھر آیا تھا۔ شدید قسم کی دستک پر دروازہ اسی نے کھولا تھا کہ نیند نہ آنے کے باعث وہ بستر پر کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی۔ اس بے وقت ہونے والی دستک پہ گھبرا کر دروازے تک آئی تو یاور کے نام اور آمد کی وجہ بتانے پہ اسے دروازہ کھولنا پڑا۔ اتنا تو وہ بھی جان گئی تھی اب اسے کم از کم یاور سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ جس چیز پہ زوار نگاہ ڈال لیتا وہ یاور کے لیے گویا حرام ہو جاتی تھی۔

"دیکھو میں اس وقت مریض کو دیکھنے گھر سے باہر نہیں جا سکتی۔ اگر ایسی کوئی بات ہے بھی تو تم اپنے بھائی کو یہاں لا سکتے ہو۔" یاور کی گھبراہٹ و پریشانی کو نظر انداز کر کے وہ بہت اطمینان بھرے انداز میں بولی تھی۔ اسے نہ تو یاور کی باتوں پہ اعتماد تھا نہ ہی زوار کی اتنی پروا' اس کی خاطر آدھی رات کو حویلی جانے کو اٹھ کھڑی ہوتی' اس کا یہ طرز تغافل اور بے حسی یاور کی پیشانی پہ ناگواری کی شکنوں کا جال بچھا گئی۔ جبھی بولا تو لہجہ انتہائی سخت اور ملامت زدہ تھا۔

"عجیب ڈاکٹر ہیں آپ' ایک انسان کی زندگی خطرے میں ہے اور آپ کا اطمینان قابل رشک ہے۔" وہ گویا چیخ کر رہ گیا تھا۔

"دیکھیں اگر ان کی حالت خطرے میں ہے تو میں یہاں سہولتوں کے فقدان کے باعث کچھ بھی نہیں کر پاؤں گی' پلیز آپ انہیں شہر لے جائیں۔" اس نے اسی نخوت بھرے انداز میں نروٹھے پن کا مظاہرہ کیا تو یاور بمشکل خود پر ضبط کر پایا۔ ساتھ کھڑے میرل سے خوامخواہ شرمندگی محسوس ہوئی کہ وہ کیا سوچ رہا ہوگا دو ٹکے کی لڑکی اس کا حکم ماننے سے انکاری تھی۔ جی تو چاہا تھا دو تھپڑ لگا کر محترمہ کا دماغ ٹھکانے لگا دے' وہ ایسا کر بھی گزرتا اگر اسے زوار شاہ کی تنبیہ یاد نہ ہوتی جو اس نے اسے سختی سے کی تھی۔

"ڈاکٹر الوینہ سے بدتمیزی نہیں کرنا سمجھے' آئندہ میں کسی بھی حوالے سے تمہاری شکایت نہ سنوں۔" اور اس کے لیے اتنی ہی سرزنش بہت تھی۔ وہ لب بھینچے' بہت ضبط سے گزر رہا تھا۔ جب خالہ بی اٹھ کر چلی آئیں۔ ان کی آنکھ ان کی باتوں سے کھلی تھی۔ صورت حال جانتے ہی ان کی ہمدردانہ رگ جاگ اٹھی یا انہی کے کہنے پر الوینہ نہ چاہتے ہوئے بھی جانے پہ آمادہ ہوئی تھی۔ وہ بھی ان کے ساتھ جانے کی شرط پر۔ سارے رستے وہ عجیب سے احساسات کا شکار رہی۔ یاور کی کہانی پر اسے قطعی بھروسا نہیں تھا جبھی بہت بے چین سی تھی۔

"یہ بھائی کا کمرہ ہے اندر چلی جائیں۔" وہ اسے اندر بھیج کر خود پتا نہیں کہاں چلا گیا۔ الوینہ نے جھجکتے ہوئے اندر قدم رکھا تو اسحاق شاہ سمیت حویلی کی تمام خواتین بھی تشویش زدہ چہرے لیے وہیں موجود تھیں۔ اسے جیسے ڈھارس سی ہوئی۔

"آؤ..... آؤ ڈاکٹرنی! دیکھو میرا پتر آنکھیں نہیں کھول رہا۔ زوار' پتر! اٹھ آنکھیں کھول' دیکھ مجھے۔" اس کی ماں زوار پر جھکتے ہوئے روہانسی ہو کر بولی تو کسی انہونی کے خیال سمیت الوینہ کا دل بہت زور سے دھڑکا۔ تبھی زوار نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ الوینہ کو دیکھتے ہی جو چمک اس کی آنکھوں میں لہرائی اس نے الوینہ کو ایک لمحے کے لیے بالکل منجمد کر ڈالا تھا۔ گولیاں اس کے کاندھے اور بازو کو ادھیڑ گئی تھیں۔ زخم سے خون ہنوز رس رہا تھا اور وہ ہوش میں تھا۔ اس کی ہمت کو داد دینا پڑی۔ یقیناً آپریشن کرنا پڑتا اور وہ تو نو آموز ڈاکٹر تھی ایسے کیس کو کرتے ہوئے ہچکچا گئی۔

"دیکھیں میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ یہ کیس میرے بس سے باہر کی بات ہے' پلیز سمجھنے کی کوشش کریں۔ میرے پاس......"

"دیکھو کڑی! اس وقت اگر میں اپنے پتر کو لے کر شہر جاؤں تو تین چار گھنٹے لگیں گے پھر اسپتال میں فوری تو آپریشن بھی نہیں ہو پائے گا۔ تمہاری یہ بکواس ہم بعد میں سنیں گے' پہلے تم میرے پتر کی گولیاں نکالو۔ اس کتے خبیث سے تو میں نمٹوں گا۔" اسحاق شاہ حلق کے بل غرائے تو الوینہ کا چہرہ ایک پل کو بالکل پھیکا پڑ گیا۔

"بابا سائیں پلیز۔" زوار شاہ نے نقاہت زدہ لہجے میں کہہ کر انہیں ٹوکا تو اسحاق شاہ لب بھینچ کر اسے دیکھنے لگے۔ الوینہ کی نگاہ اس سے ملی تھی جب اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں جیسے التجا کی تھی کہ بابا سائیں کی بات مان لے۔

"ڈونٹ کیئر! اگر بات بگڑ گئی تو مجھے الزام نہ دیجیے گا۔" اس

http://primenovels.blogspot.com/

نے بے خوفی سے کہتے ہوئے اسحاق شاہ کو دیکھا تو اسحاق شاہ دانت بھینچ کر غرائے۔

"اس سے پہلے کہ میرے بیٹے کو کچھ ہو میں تمہیں جہنم واصل کر دوں گا۔ یہ میرا بیٹا ہی ہے جو تمہیں اتنی شہ دینے والا کہ تم آج میرے منہ کو آ رہی ہو مگر یاد رکھو اگر ہم سر پر بٹھاتے ہیں تو لگامیں کھینچنا بھی خوب آتا ہے۔" الوینہ کے لب سل کر رہ گئے تھے۔ وہ چپ چاپ اپنا کام کرنے لگی۔ خواتین کمرے سے جا چکی تھیں جبکہ زوار شاہ پر ایک مرتبہ پھر نقاہت نے غنودگی طاری کر دی تھی۔

❁.....❁.....❁

الوینہ کو اگلے دن بھی حویلی جا کے اس کے زخموں کا معائنہ کرنا تھا' جب وہ حویلی پہنچی زوار شاہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے موبائل فون پر محو گفتگو تھا۔ اسے دیکھا تو گفتگو سمیٹتے ہوئے فون بند کر دیا۔

"کیسی ہو تم؟" وہ اس کو دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔ کمرے میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ اس نے سخت بے چینی محسوس کی۔

"میں تمہاری ڈریسنگ چینج کرنے......"

"جانتا ہوں۔" اس کے جواب نہ دینے پر بھرپور سنجیدگی سے بولا پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا میرل کو آواز دے کر چائے لانے کا کہا اور پھر اس کی طرف متوجہ ہوا تو موڈ ایک بار پھر بدل چکا تھا۔ "سوری یار! تم پہلی بار سسرال آئی تھیں مگر تمہارا شایان شان استقبال اور خاطر داری نہ ہو سکی۔" شرارت پر مائل بادامی آنکھوں میں ڈھیروں ڈھیر دل کشی سموئے وہ دھیرے سے مسکایا تو جانے کیا یاد کر کے الوینہ کا چہرہ خجالت سے سرخ پڑ گیا' جبکہ زوار شاہ اس کی کیفیت سے بے خبر کہہ رہا تھا۔ "لیکن آج میں تمہیں کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دوں گا اور یہ تم ادھر کیوں بیٹھی ہو اتنے فاصلے پہ...... یہاں آؤ میرے پاس۔" وہ اس کی گرم نگاہوں کی حدت سے سخت بے چینی محسوس کر رہی تھی جیسے بری طرح سے پھنس گئی ہو۔

"زوار شاہ میں تم سے اس پاگل پن کی توقع نہیں رکھتی تھی۔ میں یہاں ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے آئی ہوں' اپنے مریض کو چیک کرنے اور بس...... تم فضول کی باتوں سے پرہیز کرو سمجھے۔" انگلی اٹھا کر تنبیہ کے انداز میں کہتی ہوئی وہ زوار شاہ کے لبوں پہ موجود مسکراہٹ کو گہرا کر گئی۔

"ابھی تک خفا ہو؟" اور وہ جیسے بھک سے اڑی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس کے آنچ دیتے لہجے میں سراسر درشتی نمایاں تھی۔

"دھیرج رکھو مائی ڈیئر' چائے لو۔" وہ یونہی مسکراتا ہوا برا مانے بغیر بولا تو الوینہ تمتماتا ہوا چہرہ لیے جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے چلنا چاہیے۔" وہ تلخی سے کہتے ہوئے جیسے ہی پلٹی زوار شاہ کمبل ہٹا کر ایک ہی جست میں اس کا راستہ مسدود کر گیا۔

"ہٹو' جانے دو مجھے۔ میں تمہاری لن ترانیاں سننے نہیں آئی تھی۔" وہ اسی جلے کٹے انداز میں بولی تو زوار شاہ نے کچھ کہے بنا اس کی کلائی پکڑ کر زبردست جھٹکے سے خود سے قریب کھینچ لیا۔

"تمہیں نہیں لگتا ڈاکٹر الوینہ کہ تم اپنی حدود پار کر رہی ہو۔" وہ سہمی سی گنگ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔

"چھوڑو مجھے۔" وہ بری طرح تلملائی مگر ادھر جیسے مطلق کوئی اثر نہ تھا۔ "دیکھیں یوں نہ کریں' پلیز چھوڑ دیں۔ زوار آپ کے زخم تازہ ہیں۔" اسے یہی بات سوجھی کہ اس کی مزاحمت کے نتیجے میں ہونے والی زور زبردستی میں زوار شاہ کے وجیہہ چہرے پہ لہراتی اذیت اس کی نگاہوں سے مخفی نہیں رہی۔

"تو کیا ہوا! جو ہوتا ہے ہو جانے دو۔ اتنا کمزور نہیں ہوں کہ اتنی سی تکلیف نہ سہہ سکوں۔ تمہیں یہ جتانا ضروری ہے مسز الوینہ زوار شاہ کہ میں ہمیشہ ہر حال میں تم سے طاقت ور ہوں۔ آزماؤ مجھے کب تک کہاں تک لڑ سکتی ہو؟" اس کا لہجہ درد کی شدت لیے ہوئے تھا۔ وہ سن پڑ گئی۔ وہ اس وقت یقیناً اس پر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔ "سمندر میں رہ کر مگرمچھ سے دشمنی سوائے نقصان کے کچھ نہیں دے گی الوینہ! میری جاگیر' میری حویلی اور میرے ہی بیڈ روم میں کھڑی ہو کر تم مجھے بے عزت کر رہی ہو' یعنی زوار شاہ کو۔" اس کا لہجہ پھنکارتا ہوا سا تھا۔ الوینہ کے چودہ طبق روشن ہوئے تھے۔ وہ تو اسے غصہ دلا کر پچھتائی تھی مزید ستم بالکل اچانک یاور کی آمد نے توڑ دیا۔ جب یاور اچانک دروازہ کھول کر اندر چلا آیا اور الوینہ کو یوں پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہ گیا۔ الوینہ تو اپنی جگہ کٹ کر رہ گئی تھی۔ اس کا چہرہ یوں نچڑا تھا جیسے خون کی آخری بوند بھی کھینچ لی گئی ہو۔ معاً یاور ہوش میں آ کر آہستگی سے پلٹا۔

"کسی کے کمرے میں آنے سے پہلے ناک کرتے ہیں۔" زوار شاہ اس پر کڑی نگاہ ڈالتا ہوا گہرے طنز سے بولا تو یاور جاتے جاتے تھم گیا۔ "سنو! اسے گھر تک چھوڑ دو اور ہاں جو کچھ

http://primenovels.blogspot.com/

تم نے دیکھا اسے بھول جاؤ۔ سمجھو تم نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔" وہ سرد مہری سے بولا تھا۔ الوینہ لب کچلتی سرعت سے باہر چلی گئی جبکہ یاور نے محض سر ہلا کر گویا رضامندی دی تھی۔ زبان بندی کی۔ زوار شاہ اس کے جانے کے بعد بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھ کر اپنا بازو سہلانے لگا جہاں درد کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔

❀......❀......❀

اس واقعے کے بعد زوار شاہ نہ تو ڈریسنگ بدلوانے خود آیا نہ اسے بلوایا۔ الوینہ نے جیسے اس خاموشی میں عافیت جان لی تھی۔ اس روز کے بعد وہ جیسے خود سے نگاہ ملاتے ہوئے بھی شرمندہ ہو جاتی۔ یاور اس کے متعلق کیا سوچتا ہوگا۔ وہ یہ سوچ کے کڑھتی رہتی۔ زوار شاہ سے اب وہ صحیح معنوں میں خائف رہنے لگی تھی۔ جبکہ دوسری طرف زوار شاہ اس کے اس حد تک کھنچے ہوئے رویے سے خاصا ول برداشتہ ہوا تھا۔ اسے لگا تھا وہ ان گزشتہ دو اڑھائی مہینوں میں الوینہ کے دل میں کوئی خاص جگہ بنانے میں بری طرح ناکام رہا ہے اب اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ایسا کیا کام کرے یا اسے اس کے حال پہ چھوڑ دے یا زور زبردستی سے کام لے۔ الوینہ سے محبت کے معاملے میں اس جیسا اکھڑ ضدی اور من مانی کرنے والا بندہ بہت بے بس ہوگیا تھا۔ اسے خوف تھا کسی بھی قسم کی زبردستی الوینہ کو اس سے مزید متنفر نہ کردے۔ جبکہ وہ اس سے محبت کا خواہاں تھا۔ اس کے ساتھ وہ ایک ایسا گھر بنانا چاہتا تھا جس میں محبت، امن، خلوص اور وفا شامل ہو مگر الوینہ کا رویہ اسے بہت دل برداشتہ کررہا تھا۔ اس وقت بھی وہ انہی سوچوں میں الجھا متفکر بیٹھا تھا جب اسحاق شاہ اس کے قریب آگئے۔ چند ادھر ادھر کی باتوں کے دوران اس کی طبیعت کا بھی پوچھتے رہے مگر زوار کو لگا تھا جیسے وہ جس مقصد سے آئے ہیں وہ بات ابھی نہیں کہی۔

"کچھ مسئلہ ہے بابا سائیں! آپ کچھ پریشان ہیں؟" زوار شاہ نے پوچھا تو اسحاق شاہ چونک کر بغور اسے دیکھتے رہے پھر جیسے فیصلے پر پہنچ کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہوں...... ایسا ہی ہے۔ دراصل زوار پتر! احسان شاہ نے ہم پر جائیداد میں حصے کے لیے کیس دائر کردیا ہے۔" انہوں نے تشویش زدہ لہجے میں کہا تو زوار چونکتا ہوا بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگا۔ "یہ تو ہونا ہی تھا بھائی کو تو میں نے دبا لیا مگر یہ نیا خون ہے جوشیلا اور غصہ ور۔" انہوں نے ہنوز اسی تفکر سے کہا تو زوار شاہ سر جھٹک کر تسلی آمیز لہجے میں گویا ہوا۔

"فکر نہ کریں بابا سائیں میں ہوں نا جو نگ ہمیں دیکھ کر پھن اٹھائے گا اسے پھن سمیت پاؤں تلے کچل ڈالوں گا۔ تاریخ پر آپ نہیں میں جاؤں گا اور اس سے خود ہی نمٹ لوں گا۔ یہ زمینیں ہماری ہیں ہماری ہی رہیں گی۔" اس کے کٹیلے لہجے سے ازلی غرور چھلک پڑا تھا۔

"مگر زوار پتر! جائیداد میں حصہ تو ان کا بنتا ہے نا! پھر عثمان اب وکیل بھی بن چکا ہے۔" ان کی تشویش کم نہیں ہوئی تو زوار انہیں بر ہمی سے ٹوک گیا۔

"اُفوہ...... بابا سائیں! آپ خود اعتراف کررہے ہیں حصے کا تو انہیں کہنے سے کون روکے گا! پھر تو ہم کیس لڑے بغیر ہی ہار گئے نا۔" اس نے گویا اپنا سر ہی پیٹ لیا۔

"اپنی جائیداد میں سے کسی کو ایک ذرہ برابر جگہ بھی دینا سراسر ہماری توہین ہے۔" اسحاق شاہ بڑبڑائے تو زوار شاہ نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کون دے رہا ہے بابا سائیں! کچھ نہیں ملے گا انہیں تب تک جب تک زوار شاہ زندہ ہے۔" اس نے تنفر زدہ لہجے میں کہا تو اسحاق شاہ نے تفاخرانہ نگاہ اس پر ڈالی اور مسکراتے ہوئے اٹھ گئے۔

❀......❀......❀

خالہ بی کو واپس گئے ایک آدھ ہفتہ ہی ہوا ہوگا جب اسے ان کی شدید بیماری کی اطلاع فون پر ملی۔ دل کا مرض تو انہیں تھا مگر اب اتنا شدید دورہ پڑا تھا کہ کل رات سے I.C.U میں مسلسل بے ہوشی کے عالم میں تھیں۔ آذر کے لہجے کی تشویش اور گھبراہٹ نے الوینہ کی گھبراہٹ کو خوف میں بدل دیا۔ خالہ بی کے جو اس پر احسانات تھے وہ تو تھے ہی بہت خاص ان کی محبتوں کی بھی وہ بال بال مقروض رہی تھی اب انہیں زندگی و موت کی کشمکش میں پایا تو جیسے غم سے دل پھٹنے لگا۔ یوں بھی وہ اگر برگشتہ تھی تو آذر کی بیوی سے تھی۔ خالہ بی سے اسے کوئی شکایت نہیں تھی۔ چھٹی کی درخواست لکھ کر وہ اسی وقت جانے کو تیار ہوگئی تھی۔ مختصر سا سامان لے کر جس وقت وہ پریشان سی نکل رہی تھی شومئی قسمت عین اس وقت زوار شاہ وہاں آگیا۔

"کہیں جارہی ہو تم؟" کسے بغور دیکھتا ہوا پوچھا۔

"ہاں خالہ بی کی طبیعت اچھی نہیں اس لیے جارہی ہوں۔" اس نے جواباً کسی قدر بدتمیزی سے کہا تو زوار شاہ کچھ دیر اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھتا ہوا گویا اس کی سچائی کو پرکھتا رہا تھا پھر دو ٹوک اور قطعی لہجے میں بولا تو انداز کی حکمرانی ہنوز تھی۔

"کل چلی جانا بلکہ میں گاڑی بھجوا دوں گا۔ ڈرائیور چھوڑ آئے گا تمہیں۔"

"مگر مجھے ابھی اور اسی وقت جانا ہے خالہ بی مجھ سے ملنا چاہتی ہیں ان کی حالت بالکل اچھی نہیں وہ آئی سی یو میں ہیں۔" وہ جواباً ہٹ دھرمی سے بولی تو زوار شاہ نے اس کی آنکھوں سے چھلکتی سرکشی اور تنفر کو بغور دیکھا پھر گہرا سانس کھینچتے ہوئے اس سے اتفاق کرگیا۔

"او کے ٹھیک ہے ابھی چلی جانا...... لیکن اکیلی نہیں تم رکو میں گاڑی لے کر آتا ہوں۔ شام ہورہی ہے تم اکیلی جاؤ گی نہ ہی ڈرائیور کے ساتھ میں خود تمہیں چھوڑ دوں گا۔" اس کا جواب سنے بغیر وہ پلٹ کر تیز قدموں سے باہر نکل گیا تو الوینہ نے قہر بھری نگاہ اس کی چوڑی پشت اور مضبوط شانوں پر ڈال کر سخت آف موڈ میں ہاتھ میں پکڑا بیگ چارپائی پر اچھال دیا۔

❀......❀......❀

وہ سیدھی خالہ بی کے گھر میں آئی تھی مگر دروازے پر منہ چڑاتا تالا دیکھ کر اس کے رہے سہے حواس بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ اسے ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر روتے دیکھا تو زوار شاہ نے بنا کچھ کہے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے تسلی دینے لگا۔

"مجھے آذر کو فون کرنا چاہیے۔" اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے زوار شاہ کی گرم نگاہوں کی تپش سے اپنا چہرہ سلگتا محسوس کیا مگر دانستہ نگاہ نہیں اٹھائی۔ زوار شاہ نے کچھ کہے بغیر جیب سے فون نکال کر اس کی جانب بڑھایا تو اس نے کچھ توقف کے بعد موبائل لے کر نمبر پش کیے۔

"ہیلو جی...... الوینہ بات کررہی ہوں...... آگئی ہوں...... کون سے اسپتال؟ جی جی بس میں پہنچ رہی ہوں...... کیا! مجھے یاد کررہی ہیں؟ ہوش آگیا...... نہیں...... بس میں ان شاء اللہ پہنچ رہی ہوں۔" اس نے سلسلہ منقطع کرنے کے بعد فون اس کی جانب بڑھانے کی بجائے ڈیش بورڈ پر ڈال دیا۔

"سیوا اسپتال چلیں اور پلیز تیز ڈرائیو کریں۔ خالہ بے ہوشی کے عالم میں بھی مجھے ہی پکار رہی ہیں۔" اس سے نگاہ ملائے بغیر وہ بہت آہستگی سے بولی زوار شاہ نے پہلے سیل فون اٹھا کر جیب میں رکھا اور سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔ الوینہ کو اس کا یہ

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

ماہنامہ آنچل حجاب کراچی

(ایک ساتھ منگوانے پر)

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کریں گے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ (بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 700 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

7000 روپے

مڈل ایسٹ، ایشیائی، افریقہ، یورپ کے لیے

6000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، منی آرڈر، منی گرام ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔ مقامی افراد دفتر میں نقد ادائیگی کرسکتے ہیں۔

رابطہ: طاہر احمد قریشی...... 0300-8264242

نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز

کمرہ نمبر: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ، کراچی۔
فون نمبر: 2/35620771-922+

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
circulationngp@gmail.com

http://primenovels.blogspot.com/
http://primenovels.blogspot.com/

اطمینان تاؤ دلانے لگا تھا مگر نگاہ کا زاویہ بدل کر گود میں رکھے ہاتھوں کو مسلنے لگی تبھی زوار شاہ نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ دونوں کے درمیان خاموشی در آئی تھی جسے توڑنے کی دونوں میں سے کسی نے بھی کوشش نہیں کی یہاں تک کہ گاڑی اسپتال کی عمارت کے سامنے جارکی۔

"آئی ایم سوری! مجھے تمہاری خالہ کی خیریت معلوم کرنی چاہیے مگر اس وقت مجھے ایک بہت ضروری کام ہے۔ تمہیں واپس کب آنا ہے۔" زوار شاہ جیسے اجڈ اور اکھڑ بندے سے اس قدر مروت کی اسے قطعی توقع نہیں تھی۔ جبھی اس کا سوال نظر انداز کرکے وہ دروازہ کھولتی ہوئی نیچے اتر گئی۔

"سنو! تمہیں جب واپس آنا ہو مجھے بتا دینا میں خود تمہیں لینے آجاؤں گا۔" وہ بہت گہری اور خاص نگاہ اس پر ڈال کر بولا تو الوینہ جواب میں کچھ کہے بغیر تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ آئی سی یو کے سامنے پہنچی تو سب سے پہلی نگاہ جس شناسا چہرے پر پڑی وہ آذر کی بیوی کا تھا جس نے اسے دیکھتے ہی تیوریاں چڑھا کر نفرت سے رخ پھیر لیا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی خجل سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی تبھی ہاتھ میں دواؤں کا لفافہ لیے آذر بھی وہاں پہنچ گیا۔

"ارے آپ آگئیں......؟" وہ اسے دیکھ کر چونکا اور آذر کی بیوی کو جیسے بچھو نے ڈنک مارا۔

"ہاں ہاں ڈھول تاشے بجواؤ آخر کو یہ محترمہ آئی ہیں جنہیں دیکھنے کو موصوف ترسے جاتے ہیں۔ ارے میں کہتی ہوں آذر کیوں نہ تم نے اسی ڈائن سے شادی رچالی؟ مجھے کاہے کو لائے تھے جب اسی کے فراق میں گھلنا مرنا تھا تو ایک بیمار بوڑھی تھی منحوس میرے سینے پہ مونگ دلنے کے لیے میری سوکن۔"

"بھا...... بی۔" الوینہ کے حلق میں آواز جیسے پھنس کر رہ گئی۔ رنج غصہ بے بسی کی کیفیت نے اس کی آنکھوں میں نمی بھر دی۔

"آذر بھائی! یہ بھابی......" ایک تو خالہ بی کی پریشانی اس پر بھابی کا رویہ۔ وہ تو جیسے بالکل ہی چکرا کر رہ گئی۔

"ہاں ہاں اور کروڑ رائے اور ادا میں دکھاؤ اپنے اس محبوب کو جبھی تو آج تک یہ میرا نہ بن سکا۔" وہ جاہل عورتوں کی طرح ہاتھ لہرا لہرا کر جھگڑنے لگی۔ جبکہ آذر بے بس سا کھڑا تھا۔ تبھی اسپتال کا عملہ شور سن کر وہاں آ گیا۔

"کیا بدتہذیبی ہے بی بی یہ اسپتال ہے بکرا منڈی نہیں۔ آئی سی یو کے سامنے کھڑی ہو کر آپ نے کیا شور مچا رکھا ہے؟" ڈاکٹر ہمدانی نے باہر آتے ہی انہیں اچھا خاصا لتاڑ کے رکھ دیا۔

"آئی ایم سوری ڈاکٹر! ویری سوری۔" آذر اس قدر شرمندہ تھا کہ بات تک ڈھنگ سے نہ کر سکا۔

"اٹھو تم گھر جاؤ۔" اس نے بیوی کو گھورتے ہوئے دانت کچکچا کے کہا۔

"الوینہ صاحبہ کون ہیں؟" ڈاکٹر کی اگلی بات پر الوینہ جو سر جھکائے کھڑی تھی بری طرح سے چونکی۔

"جی میں ہوں الوینہ۔" وہ چند قدم آگے بڑھی۔

"مریضہ آپ سے ملنے کی خواہش مند ہیں اب ان کی حالت خطرے سے باہر ہے۔" الوینہ نے ہاتھ کی پشت سے بھیگی آنکھیں صاف کی۔ "لیکن ابھی ہم کچھ بھی نہیں کہہ سکتے اس وقت وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں آئیے......" ڈاکٹر اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھا تب الوینہ کو بھی اس کی تقلید میں قدم بڑھانا پڑے تھے۔

خالہ بی کو دیکھ کر اسے ذہنی دھچکا لگا۔ چند دن پہلے جب وہ اس کے پاس سے آئی تھیں تو اچھی بھلی تھیں اب پیلی زرد رنگت اور اندر دھنسی آنکھوں والی نحیف سی خاتون کو وہ پہلی نگاہ میں پہچان نہ پائی تھی۔ خالہ بی کے سینے پر سر رکھ کر وہ خوب روئی تھی۔ مگر انہیں حوصلہ دینا بھی ضروری تھا۔

"آپ ٹھیک ہوجائیں گی خالہ بی۔" اس نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"آخری وقت آ پہنچا ہے بیٹا...... اس چل چلاؤ میں جبکہ مہلت بہت کم ہے تو دل ایک راز کے بوجھ سے دبا جاتا ہے۔" اس نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔

"مجھے پتہ ہے خالہ بی! جس رات آپ آذر بھائی سے بات کر رہی تھیں نادانستگی میں سہی لیکن میں نے سن لیا تھا۔" خالہ نے لرزتا ہاتھ اس کے سر پر رکھا۔

"نہیں بچی! میری بات دھیان سے سنو! تم اس دنیا میں تنہا نہیں ہو۔ تمہارے پاپا زندہ ہیں۔ یہ تمہاری ماں کے وعدے کی زنجیر تھی کہ جس نے مجھے باندھ رکھا۔ وہ اس شخص کو سزا دینا چاہتی تھی اس کی بیٹی کو اس سے دور رکھ کے۔ وہ تمہارے بارے میں جانتا تھا مگر تمہاری ماں ایک رات چپکے سے وہاں سے چلی آئی اور مجھ سے کہا تھا جب تک میں زندہ رہوں، تمہیں تمہارے باپ کے حوالے نہ کروں اور اگر میں نہ رہوں تب

تمہیں تمہارے باپ کے حوالے کردوں۔ وہ بھی اس صورت میں کہ تمہاری شادی نہ ہوئی ہو۔ الوینہ بیٹا! میری شدید خواہش تھی کہ آذر سے تمہاری شادی ہوجائے مگر مجھے یہ تمہارے ساتھ ظلم محسوس ہوا۔ تم بہت بڑے باپ کی بیٹی ہو جبکہ آذر......" انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر اکھڑتا ہوا سانس بحال کیا۔ الوینہ جو گم صم اور قدرے شاکڈ انداز میں انہیں دیکھ رہی تھی گھبرا کر ان کا سینہ مسلنے لگی۔ خالہ کا سانس متوازن ہوا تب انہوں نے ایک بار پھر سلسلۂ کلام جوڑا۔ "تمہاری ماں کا تمہارے باپ سے کیسا جھگڑا تھا اس نے کبھی مجھ سے اس موضوع پر بات نہیں کی اور کریدنا میری عادت نہیں یوں یہ راز راز ہی رہا اور وہ ہمیشہ کے لیے مجھ سے بچھڑ گئی۔ مرنے سے چند دن قبل اس نے مجھے ایک تہہ شدہ کاغذ دے کر وعدہ لیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر تمہاری شادی نہ ہوئی ہو تب میں تمہیں اس ایڈریس پر رابطہ کرکے تمہارے باپ تک پہنچا دوں۔ الوینہ! کل مجھے ہوش آیا تھا تو آذر کو وہ کاغذ کا پرزہ دیتے ہوئے اس شخص سے رابطہ کرنے کو کہا تھا وہ کوئی عام شخص نہیں ہے بہت مشہور اور امیر آدمی ہے مجھے اندازہ تو تھا کہ وہ خاص آدمی ہے مگر اس قدر باحیثیت ہوگا یہ اندازہ نہیں تھا بیٹا! تمہیں زبردستی اپنے پاس روک کر شاید انجانے میں میں تم سے زیادتی کرچکی ہوں مگر مری ہوئی دوست سے وعدے کا پاس مجھے ایسا کرنے پہ مجبور کر گیا تھا۔ اس کے باوجود میں تم سے معافی......" انہوں نے روتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

"ایسا مت کہیں خالہ پلیز۔" الوینہ تڑپ کر ان کے ہاتھوں پر چہرہ رکھ کر سسک اٹھی۔ اب وہ اس بستر مرگ پر پڑی عورت کو کیسے بتاتی کہ ان کی اس چھوٹی سی غلطی نے اسے زوار شاہ جیسے عفریت کے چنگل میں پھنسا دیا تھا۔ اگر اس کی بیک اتنی کمزور نہ ہوتی تو بھلا وہ اتنے دھڑلے سے اس کے ساتھ یہ سب کچھ کر سکتا تھا۔ ایک بار پھر اس کے دل میں زوار شاہ کے لیے نفرت جوش مارنے لگی تھی۔

❀......❀......❀

کورٹ کے باہر ہی زوار شاہ کا سامنا حشان سے ہوا تھا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے میرل سے کچھ بات کر رہا تھا۔ اسی لمحے حشان شاہ کی سیاہ مرسڈیز ایک جھٹکے سے وہاں آ کے رکی۔ حشان شاہ کی نگاہ بھی پڑی تھی مگر نظر انداز کیے گاڑی لاک کرنے کے بعد پلٹا تب تک زوار شاہ کسی چٹان کی طرح اس کے راستے میں حائل ہو چکا تھا۔

"سنا ہے چیونٹی نے پھر پر پرزے نکالنا شروع کردیے ہیں؟" مونچھوں کو مروڑتا ہوا وہ اسے دیکھ کر حقارت زدہ لہجے میں پھنکارا تو حشان شاہ کا چہرہ ضبط کی کوشش میں سرخ ہوگیا۔

"میں تمہاری کسی فضول بکواس کا جواب دینا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ ہمارے درمیان جو بھی بات چیت ہوگی وہ عدالت میں ہوگی۔ لہٰذا راستہ چھوڑو میرا۔" ضبط کے باوجود اس کا بھینچا ہوا لہجہ اس کے اندر کے اشتعال کو ظاہر کر گیا۔

"سنبھل کے وکیل صاحب! اول تو ایسا ہوگا نہیں کہ تم جیت جاؤ اور بالفرض ایسا ہوا تو جائیداد حاصل کرنے کی بجائے تمہارے والد گرامی جوان بیٹے کی خون میں نہائی لاش وصول کریں گے۔ بتا دینا چاچا سائیں کو۔" انگارے برساتے لہجے میں کہہ کر وہ اس کے تاثرات نوٹ کرنے لگا مگر حشان شاہ کمال ضبط کا مظاہرہ کرتا ہوا سائیڈ سے ہو کر نکل گیا۔ زوار شاہ نے وار خالی جانے پر جھنجلائے ہوئے انداز میں پاؤں کی ٹھوکر سے راہ میں پڑے پتھر کو دور اچھالا تھا پھر سگریٹ سلگاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

❀......❀......❀

اس کے سامنے ہر بات عیاں کرنے کے بعد جانے خالہ بی کسی حد تک مطمئن ہوئی تھیں البتہ اس کا رہا سہا سکون بھی غارت ہوگیا تھا۔ اسے وہاں آئے تیسرا دن تھا جب خالہ بی ابدی نیند سو گئیں۔ پھر اس کی دلخراش چیخیں بھی انہیں اس نیند سے جگانے میں کامیاب نہیں ہو پائی تھیں۔ جس وقت خالہ بی کا جنازہ اٹھا وہ اس منظر کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو گئی تھی۔

❀......❀......❀

آنکھ کھلی تو سب سے پہلی نگاہ خود پہ جھکے باوقار سے شخص پر پڑی تھی جو اپنے خدوخال اور وضع قطع سے بے حد شاندار نظر آ رہا تھا۔

"الوینہ بیٹے اب تم ٹھیک ہو نا۔" اس کے سر پہ ہاتھ رکھے چہرے پر تشویش کے ان گنت رنگ لیے وہ اس سے مخاطب تھے۔ وہ خالی ذہن خالی نظریں لیے انہیں دیکھتی رہی۔

"الوینہ! یہ وہاب شاہ ہیں تمہارے پاپا...... تمہیں پورے دو دن بعد ہوش آیا ہے۔ یہ تب سے بہت پریشان ہیں۔" آذر نے جیسے اس کی نگاہوں کے سوال کو پڑھ لیا تھا۔

http://primenovels.blogspot.com/

"پاپا......!" اس کے لب کانپے تھے جبکہ اس شخص نے محبت وشفقت سے مغلوب ہوکر اس کی صبیح پیشانی پر بوسہ ثبت کردیا تھا۔

"اس موقع پر مجھے کیا کہنا چاہیے؟ سمجھ نہیں پارہا لیکن بیٹے! مجھے زندگی نے سب کچھ دیا ہے ایک ہی کمی تھی وہ بھی اب پوری ہوگئی۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرائے تو الوینہ جو سپاٹ نظریں لیے انہیں دیکھ رہی تھی سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ باپ سے محرومی زندگی کے بائیس سالوں میں اس نے قدم قدم پہ محسوس کی تھی اور اب اچانک یہ رشتہ ملا تھا تو وہ اپنے اندر کو سمجھنے میں کسی محرومی کو ٹٹول رہی تھی، پتا نہیں اب زندگی اس موڑ پہ اس کے دل میں اس رشتے کی طلب باقی رہی بھی تھی یا نہیں اور جانے یہ شخص اسے اس طرح یوں اچانک ملنے پہ قبول کرپائے گا کہ نہیں؟

"افوہ پاپا! آپ شاید یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ

زندگی سے یہی گلہ ہے مجھے

تو بڑی دیر سے ملا ہے مجھے

"میں نے ٹھیک کہا نا؟" شوخ ہشاش بشاش مردانہ آواز پہ اس کا سر میکانکی انداز میں گھوما تھا۔ بلیک جینز پہ وائٹ شرٹ میں وہ لمبا تڑنگا ڈیشنگ لڑکا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ معاً وہ اس کی سمت پلٹا۔ "اب آپ سوچ رہی ہوں گی کہ میں کون ہوں؟" اس کی آنکھوں میں جھانک کر شوخی سے بولا تو الوینہ اس کا چہرہ اپنی طرف دیکھ کر شپٹا کے رہ گئی۔ جبکہ عثمان شاہ نے اس کے یوں گھبرا جانے پہ زندگی سے بھرپور قہقہہ لگایا پھر اس کے بیڈ کے کنارے آ کر بولا۔ "آئی ایم عثمان شاہ، تمہارا بڑا بھائی۔ خوشی ہوئی تم سے مل کر۔" اپنا چوڑا مضبوط ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ دوستانہ لہجے میں بولا تو الوینہ نے بوکھلا کر پہلے اسے پھر وہاب شاہ کو دیکھا جو محبت بھری مسکراہٹ لیے دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"دیکھو لڑکی اب تم ہماری توہین تو مت کرو۔ بڑا بھائی ضروری تو نہیں صرف رعب جمانے والا ہی ہو دوست، غمگسار اور راز دان بھی تو ہوسکتا ہے جیسے میں اور تم...... یہ رعب دعب حنان بھائی کے لیے رہنے دو، مجھ سے دوستی کرلو۔" اور اسے جانے کیا ہوا تھا صدیوں کی برف لمحوں میں پگھلی تھی۔ یہ محرومی تو عمر بھر ساتھ چلی تھی، اب جو اتنی محبت اور توجہ ملی تو جیسے یہ سب سنبھال نہ پارہی تھی۔ وہ سسکی تو عثمان شاہ کا ہاتھ تھامنے کی بجائے اس کے بازو سے لپٹ کر زور زور سے رونا شروع کردیا۔

"ارے...... ارے......" وہاب شاہ بری طرح سے بوکھلائے اور عثمان کو ہٹاتے خود بڑھ کر اسے اپنے مشفق بازوؤں کے حصار میں لے کر آہستہ آہستہ تھپکتے ہوئے ڈھارس بندھاتے رہے مگر یہ تو جانے کب کب کا لاوا تھا جو پھٹ پڑا تھا اور آنسوؤں کی صورت بہتا چلا گیا۔

"چپ ہوجاؤ الوینہ...... کیا پاگل ہوگئی ہو؟ بے وقوف لڑکی...... اتنے عرصے بعد ملی ہو وہ بھی بچوں کی طرح روتی بسورتی...... کیا ہم سے ملنے کی خوشی نہیں ہوئی؟" عثمان اسے زبردستی وہاب شاہ سے الگ کرتا ہوا مصنوعی غصے و رعب سے بولا تو الوینہ ایک دم سہم کر خاموش ہوگئی۔ حنان جو ایک طرف بالکل خاموش کھڑے تھے اس کے یوں ڈر جانے پر عثمان کو گھورنے لگے۔

"بدتمیز یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا۔" انہوں نے تادیبی نظروں سے اسے دیکھا تو عثمان جو بمشکل مسکراہٹ ضبط کیے تھا کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"مجھے اسے چپ بھی تو کروانا تھا۔" سر کھجا کر کہتا ہوا وہ وضاحت دے رہا تھا جبکہ الوینہ کا اٹکا ہوا سانس بحال ہوا۔

❁......❁......❁

جس وقت اس نے وہاب شاہ کے ہمراہ شاہ پیلس کی شاندار عمارت کے گیٹ کو پار کیا تو ایک انجانا سا خوف اس کے اعصاب پہ سوار تھا۔ یہاں ایک عورت اس کی سوتیلی ماں کے روپ میں اس کے سامنے آیا ہی چاہتی تھی۔ جانے وہ بھی اسے اپنے شوہر اور بیٹوں کی طرح بھرپور محبت اور فراخ دلی سے قبول کرپاتی یا...... یہی خدشہ خوف کا روپ دھارے اس کے وجود میں گڑ گیا تھا۔ تبھی لان سے اوپر جاتی سیڑھیوں پہ اس کے قدم ٹھٹکے اور نگاہیں ساکن رہ گئیں۔ ہلکے گلابی مہین سی ساڑھی میں وہ انتہائی جاذب نظر نقوش کی حامل گریس فل سی خاتون ایک وجیہہ سے لڑکے کے ساتھ کھڑی مسکرا کر اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"خوش آمدید اے محترم خاتون۔" سرخ مہکتے گلابوں کا بکے خاص انداز میں جھک کر اسے پیش کرتے ہوئے وہ کھنکتے شوخ لہجے میں گنگنایا تو الوینہ متذبذب سی ہوکر اپنے دائیں بائیں کھڑے عثمان، حنان اور وہاب شاہ کو دیکھنے لگی جو مسکراہٹ ضبط کررہے تھے۔

"یہ منیب شاہ ہے ہمارا چھوٹا......" حنان نے ذرا سا جھک کر اس کی الجھن کو دور کیا۔

"ہٹو تم! پہلے مجھے تو اپنی بیٹی سے ملنے دو۔" خاتون اسے دھکیل کر اس کے قریب آئیں اور اگلے ہی لمحے اسے خود سے لپٹا لیا۔ ان کا لمس اور قرب کو مہکا کے رکھ گیا۔ اس وسیع و عریض گھر کے مکینوں کے دل بھی اس گھر کی طرح بہت کشادہ اور کھلے تھے اسے اعتراف کرنا پڑا۔ جب وہ ان سے الگ ہوئی تو خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کررہی تھی۔ چہرے پہ الوہی سی چمک تھی اور لبوں کے گوشوں میں مچلتی مسکراہٹ اس کی ذہنی الجھن دور ہوجانے کی واضح غماز تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی پاپا ہماری پیاری بہن نے ہمیں قبول ہی نہیں کیا۔" منیب شاہ منہ پھلائے کھڑے وہاب شاہ کو زبردستی تھماتا ہوا بھرپور خفگی سے بولا تو الوینہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ پھر گویا اس کی بات کا مفہوم سمجھتے ہی اپنائیت سے اس کی شرٹ پیچھے سے کھینچ کر بولی۔

"کیا کہا تم نے......؟"

"جی!" وہ ہونق سا بنا شاید اس سے اس حد تک بے تکلفی کی توقع نہیں رکھتا تھا آنکھیں پھیلا کر رہ گیا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ میں نے تمہیں قبول نہیں کیا؟ ادھر لاؤ یہ بکے۔" وہ دھونس سے بولی تو عثمان جو الوینہ کی آنکھوں میں موجود شرارت کو دیکھ چکا تھا بے ساختہ زور سے ہنس دیا۔

"یعنی سیر کو سوا سیر۔" منیب اپنا دل اور خالی ہاتھ دیکھ کر کھسیا کے رہ گیا۔ سب ہنستے مسکراتے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئے۔

❁......❁......❁

وہاب شاہ اور اسحاق شاہ، مجلوق شاہ کے دو ہی بیٹے تھے۔ وہاب شاہ، اسحاق شاہ سے چھوٹے اور ولایت سے وکالت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے وطن لوٹے تھے۔ گاؤں میں رہنا انہیں پسند نہیں تھا مگر مجلوق شاہ اپنی اولاد کو نگاہوں سے دور رکھنے کے حق میں نہیں تھے۔ اسحاق شاہ شادی شدہ تھے ان کا بڑا بیٹا پیدائشی ابنارمل تھا۔ اس کے بعد زردار شاہ بلا کا ضدی اکھڑ اور حاکمانہ مزاج لیے پیدا ہونے والا بچہ باپ کا سر چڑھا تھا۔ وہاب شاہ کی شادی ان کی پسند سے ہوئی تھی مگر باپ کی خواہش کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے انہوں نے سلمیٰ بیگم کو گاؤں میں رہنے پر آمادہ کرلیا تھا۔ سلمیٰ پڑھی لکھی طرح دار خاتون تھیں۔ شوہر کی مرضی و پسند کے مطابق خود کو ایڈجسٹ کرنے میں انہیں اتنی دقت نہ ہوئی جتنی عذرا بھابی کو انہیں وہاں برداشت کرنے میں ہوئی تھی۔ دیورانی سے انہیں خاص بیر تھا۔ حنان شاہ کی پیدائش تک وہاب شاہ وکالت چھوڑ کر قانون کی اعلا تعلیم حاصل کرنے کے بعد سیشن جج ہوچکے تھے۔ مجلوق شاہ کا اچانک حرکت قلب بند ہوجانے سے انتقال ہوا تو عذرا بھابی نے پوری طرح اپنے پر پرزے نکال لیے۔ ادھر اسحاق شاہ بھی اندر سے بھائی سے بدظن تھے مگر مصلحتاً اپنی نفرت و عداوت کو ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دراصل وہاب شاہ نے چند سال میں سرکاری نوکری سے اتنا کما لیا تھا کہ باقی کی زندگی عیش و آرام سے گزار سکتے تھے جبکہ اسحاق شاہ کے پاس تو آبا و اجداد کی وہی جاگیریں تھیں۔ جس میں وہاب شاہ کا بھی برابری کی سطح پر حصہ نکلتا تھا۔ ان کی شہر میں کئی ایکڑ پہ پھیلی عالی شان کوٹھی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اسحاق شاہ سگے بھائی کی جائیداد ہڑپ کرنے کے چکر میں تھے یوں بھی وہ مزاجاً وہاب شاہ سے یکسر مختلف تھے، حاسد اور تنگ دل واقع ہوئے تھے جبکہ وہاب شاہ فطرتاً شاہ خرچ، شوخ مزاج اور خدا ترس انسان تھے۔ بھاوج کے برعکس وہ نہ صرف سلمیٰ بیگم سے محبت کا برتاؤ کرتے تھے بلکہ ان کے ادب اور لحاظ کو بھی ملحوظ رکھتے۔ ان کی ذہنی ہم آہنگی بھی مثالی تھی۔ جس سے اپنی جگہ عذرا بیگم اور اسحاق شاہ خوب جلتے تھے۔ شاید قدرت کو ان کا امتحان مقصود تھا یا پھر کہ حالات گردش میں آگئے۔ وہاب شاہ کی نوکری شہر میں تھی اور وہ ہفتہ دس دن میں چکر لگاتے تھے ان دنوں سلمیٰ بیگم امید سے تھیں اور اکثر و بیشتر ان سے اپنی تنہائی اور خرابی طبیعت کا شکوہ کرتی رہتی تھیں۔ وہاب شاہ چاہتے تھے اب انہیں ساتھ ہی شہر لے جائیں مگر عذرا بیگم اور اسحاق شاہ آڑے آگئے۔ ان کا رویہ سلمیٰ بیگم سے ہمدردانہ اور پیار بھرا ہوگیا تھا۔ عذرا بیگم چاہتی تھیں سلمیٰ بیگم کی ڈلیوری یہیں ہو۔ وہاب شاہ کو چپ ہونا پڑا مگر وہ محسوس کررہے تھے کہ سلمیٰ بیگم ان سے کھنچی کھنچی اور بے زار رہنے لگی ہیں، وجہ جاننے اور انہیں منانے کی انہوں نے اپنی سی کوشش کی جو ناکامی سے ہمکنار ہوئی تھی۔ اگلی بار وہ گاؤں آئے تو سلمیٰ بیگم سے ان کی زبردست تکرار ہوئی جو بڑھ کر جھگڑے کا روپ دھار گئی۔ بات تو کچھ بھی نہیں تھی، وہاب شاہ کے ایک بار پھر ان کی بدمزاجی پر استفسار کرنے پر سلمیٰ بیگم جو بھری بیٹھی

http://primenovels.blogspot.com/

تھیں جیسے پھٹ پڑی تھیں۔ انہوں نے وہاب شاہ پہ الزامات کی بوچھاڑ کردی تھی جن کا لب لباب یہ تھا کہ وہ عیاش تھے اور اپنی عیاشی کی خاطر وہ انہیں شہر والی رہائش گاہ پہ لے جانے سے گریزاں تھے یہ غلط الزام وہ برداشت نہ کرپائے اور جواب میں زندگی میں پہلی بار ان پر وہاب شاہ کا ہاتھ اٹھ گیا۔ سلمٰی بیگم جو پہلے ہی شاکی اور ناراض تھیں ان کے اس طرح ہاتھ اٹھانے پر اتنی خفا ہوئیں کہ ان کے روکنے کے باوجود حسان اور عثمان کو لیے میکے چلی گئیں۔ وہاب شاہ سخت اضطرابی کیفیت میں بیڈروم میں ٹہلتے سگریٹ پیتے رہے ان دنوں جبکہ وہ بے حد ڈسٹرب تھے اسحاق شاہ نے ایک روز انہیں اپنی بیٹھک میں بلوایا جہاں وہ اکثر اپنے ساتھیوں کے ساتھ موج مستی میں مصروف رہا کرتے تھے اسحاق شاہ جنہوں نے بیوی کے ساتھ مل کر یہ کھیل خود ہی کھلایا تھا۔ ہمدرد بن کر ان کے زخموں پر پھاہے رکھتے رہے اور یونہی باتوں میں لگا کر انہیں شراب بھی پلادی وہ اس قدر ذہنی ہیجان میں مبتلا تھا کہ دانستہ اس وقت ہر غم سے فراموشی کی چاہ میں وہ حرام چیز منہ کو لگالی جس کا تصور بھی کبھی انہوں نے اپنی زندگی میں نہیں کیا تھا۔ جس وقت وہ بیٹھک سے نکلے نشہ ان کے حواسوں کو بھی طرح جکڑ چکا تھا لیونگ روم سے ہوکر انہیں اپنی خواب گاہ تک جانا تھا لڑکھڑاتے قدموں اور سرخ آنکھوں سمیت وہ لیونگ روم کے دروازے پر ہی ٹھٹک گئے۔ سامنے صوفے پر زردار شاہ کو پہنچانے والی جام سے چلتے کی وہ عام سی لڑکی کون تھی انہیں اس سے غرض نہیں تھی ان کی آنکھوں سے تو حرام شے کو منہ لگانے کے بعد ہر شے کی تمیز جیسے کھوچکی تھی۔ سامنے ایک نوخیز اور جوان صورت دیکھ کر ان کے اندر بیٹھا شیطان خباثت سے مسکرایا تھا اور پوری طرح ان پہ حاوی ہوگیا اس کے بعد ہر سو شیطانیت غالب آ گئی تھی۔

❀......❀......❀

ہوش سے بیگانہ وہاب شاہ کو اسحاق شاہ نے آ کر سیدھا کیا تھا ان کے لبوں پہ ایک کمینی مسکراہٹ تھی چند لمحے قبل کھیلا جانے والا یہ کھیل کسی اور کی نگاہ میں آیا ہو یا نہیں اسحاق شاہ نے ضرور دیکھا تھا۔ ان کا اپنے بھائی کو شراب کے نشے میں دھت کرنے کا مقصد یہ نہیں تھا وہ تو اسے شراب کا عادی بنا کرنا کارہ کرکے ایک دن جائیداد سے بے دخل کرنا چاہتے تھے مگر جو کچھ ہوا تھا وہ تو ان کی توقع سے بھی کہیں بڑھ کر تھا اب انہیں شاید اتنا لمبا انتظار بھی نہ کرنا پڑتا۔ اگلے دن جب وہ وہاب شاہ کے کمرے میں آئے تو انہیں بڑھی ہوئی شیو اور بکھرے بالوں سمیت سگریٹ کا دھواں اڑاتے بہت پریشان محسوس کر کے دل ہی دل میں خوش ہوئے۔

"کیسے ہو؟" وہ بالکل ان کے سامنے جا کر بیٹھ گئے۔ وہاب شاہ یوں چونکے جیسے ابھی ابھی ان کی وہاں موجودگی سے آگاہ ہوئے ہوں۔ "کل تم کچھ زیادہ ہی بہک گئے تھے۔ میں نے تو......"

"بھائی پلیز۔" وہاب شاہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑے ہوئے ان کے وجیہہ چہرے پر لرزتا تاریک سایہ اسحاق شاہ کی عمیق نگاہ سے مخفی نہ رہ پایا۔

"فکر کیوں کرتے ہو۔ وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتی تمہارا۔ ایک معمولی اسکول ٹیچر ہی تو ہے۔ جسے میں نے ترس کھا کر زردار کو پڑھانے کے لیے ٹیوشن کی بھاری فیس پہ...... خیر چھوڑو۔ تمہیں کیا دلچسپی ہوگی اس کے قصے سے۔" وہ مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے مکاری سے بات ادھوری چھوڑ گئے۔ "سلمٰی بھی تو تمہیں اس وجہ سے چھوڑ گئی۔ شہر میں بھی......"

"بھائی......" وہ دہشت بھرے انداز میں چلائے۔

"جھوٹ ہے یہ۔"

"اچھا! حالانکہ کل تو......" اسحاق شاہ زور سے ہنسے اور ہنستے چلے گئے۔ وہاب شاہ کے چہرے سے بے بسی کا واضح اظہار چھلکا تھا لب بھینچے وہ جیسے کرب سے گزرتے رہے۔

"پتا نہیں کیا ہوگیا تھا مجھے کیوں ڈرنک کی میں نے......؟" وہ بے چارگی سے ہاتھ ملتے ہوئے جیسے بے حد ڈپریشن کا شکار تھے۔

"وہ کون سی بہت خاص ٹیچر ہے۔ ایویں سی ہے۔ غریب سی مگر کہیں ایسا نہ ہو انصاف حاصل کرنے کا دورہ پڑ جائے اور جاکے عدالت کا در کھٹکھٹا دے۔ انصاف ملے نہ ملے مگر تمہارا کیریئر اور ساکھ تو گئی نا بھاڑ میں؟ پڑھتی ہیں نا تم نے اس قسم کی خبریں اخبارات میں...... بلکہ تم تو قانون کے بندے ہو کئی ایسے کیس بھی آئے ہوں گے تمہارے پاس۔" مونچھوں کو مروڑتے ہوئے وہ بہت گہری نگاہوں سے ان کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھ کر مسلسل ضربیں لگا رہے تھے۔

"چپ ہوجائیں بھائی! پلیز......" وہاب شاہ اس سفاک حقیقت سے نگاہیں چار نہ کرپائے تو اذیت سے چلا اٹھے تھے۔

"اوہو تم اس طرح کس کس کو چپ کرواؤ گے وہاب شاہ! خاص طور پر اس لڑکی کو خاموش کرواسکو گے۔" ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سختی سے کہتے ہوئے باہر نکل گئے تو وہاب شاہ ہاتھوں پر سر گرا کے نئے سرے سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئے تھے۔

❀......❀......❀

جو فیصلہ انہوں نے کیا تھا وہ بہت کٹھن تھا ان کی زندگی اور گرہستی کو تباہی سے ہمکنار کرسکتا تھا مگر اس فیصلے سے ضمیر کی عدالت میں انہیں کچھ نہ کچھ سرخروئی ضرور حاصل ہوسکتی تھی۔ کوئی تو صورت ہوتی احساس جرم کو کم کرنے کی۔ اس لڑکی کا کوئی قصور نہیں تھا پھر یہ معاشرہ ایسی عورت کو جس نگاہ سے دیکھتا ہے وہ خوب واقف تھے اور اسی بات نے انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا تھا۔ اس گاؤں کی واحد ٹیچر کے گھر تک پہنچنا ان کے لیے قطعی دشوار امر نہیں تھا مگر اس کے سامنے مجرم کی حیثیت سے پیش ہونا اسی قدر دشوار تھا۔ دستک کے جواب میں دروازہ ادھیڑ عمر کھچڑی بالوں والی عورت نے کھولا تھا جو انہیں دیکھ کر خائف سی ہوکر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"ٹیچر علینہ کا گھر یہی ہے؟ مجھے ان سے ملنا ہے۔" سر جھکائے وہ آہستگی سے بولے تھے۔

"سائیں! آپ تو مائی باپ ہو ہمارے میری دھی تو بلا ناغہ اسکول جاتی تھی اب جانے کیا ہوگیا ہے بخار ہی جان نہیں چھوڑتا ایک ہی رٹ ہے ہوا ہیں چلیں بھلا شہر میں ہمارا ہے ہی کون جہاں نوکری چھوڑ کر چلے جائیں۔"

"میں آپ کی بیٹی سے مل سکتا ہوں۔" عجز و انکسار ان کے مزاج کا حصہ ضرور تھا مگر اس عجز و انکسار میں پہلی بار مجرمانہ احساس بھی شامل ہوا تھا کہ وہ نگاہ ملا کر بات نہیں کر پارہے تھے۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں شاہ سائیں! ہم تو خادم ہیں آپ کے علینہ اندر کمرے میں ہے آپ مل لیں اس سے میں چائے پانی کا بندوبست کرتی ہوں۔" بوڑھی عورت کے ہاتھ پاؤں پھولے جارہے تھے۔ وہاب شاہ نے علینہ سے مل کر معذرت نہیں کی کہ وہ جانتے تھے ان کا جرم اس قسم کی معافی تلافی سے معاف ہونے والا نہیں۔ ان کی وجہ سے وہ لڑکی اپنی ناموس سے محروم ہوئی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے نام کی چادر اوڑھانے کا فیصلہ سنایا تب وہ بھیگی آنکھوں میں نفرت کا عکس لیے انہیں ایک نظر دیکھ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ نکاح کی رسم بہت رازداری اور سادگی سے ادا کی گئی تھی۔ علینہ نے ان کے ساتھ رہنے سے سختی سے انکار کرتے ہوئے ان کے ہر حق کو تسلیم کرنے سے معذوری ظاہر کردی۔ گاؤں چھوڑ کر وہ اپنی ماں کے ساتھ شہر چلی گئی تھی۔ وہاب شاہ کو جن دنوں غیب کی پیدائش کی خبر ملی علینہ کی ماں بننے کی خبر بھی انہی دنوں علینہ کی ماں کے ذریعے ان تک پہنچی تھی۔ اسحاق شاہ نے اس معاملے میں خاموشی کی شرط رکھی تھی۔ جس کی خاطر انہوں نے سارا کھڑاگ پیدا کیا تھا۔ وہاب شاہ چپ چاپ اس معاملے سے الگ ہوگئے کہ انہیں اپنی عزت اس دولت سے کہیں بڑھ کر عزیز تھی۔ سلمٰی کو انہوں نے کسی نہ کسی طور راضی کرلیا تھا۔ گاؤں والوں سے ان کا ہر رابطہ کٹ چکا تھا۔ تینوں بچوں اور بیوی کے ساتھ وہ کسی حد تک مطمئن بھی تھے اگر علینہ ایک بار پھر ان کی اس پُرسکون زندگی میں تلاطم برپا نہ کرتی۔ چونکہ وہ خود بھاگ دبل وہاب شاہ سے نفرت کا اظہار کرچکی تھی جبھی وہاب شاہ اس کے سامنے آنے سے کتراتے تھے اور بذریعہ ڈاک اس کا ماہانہ خرچ بھجوادیا کرتے مگر اس روز غیر متوقع طور پہ آفس میں علینہ کی فون کال ریسیو کرکے وہ خود کو اس کے بلانے پر روک نہیں پائے تھے۔ دلکش نقوش کی حامل وہ نازک سی لڑکی اپنے سراپے میں متوقع تبدیلی لیے ان کی نگاہوں کو اپنے وجود پہ پھسلتا محسوس کرکے لب کچلتی رخ پھیر گئی تھی۔

"خیریت...... آپ نے مجھے بلوایا تھا؟" وہ اس کی ناگواری محسوس کرکے ہی ٹھٹکے تھے آہستگی سے بولے تو علینہ نے انہیں بیٹھنے کا کہے بغیر خود قریبی نشست پہ براجمان ہوگئی۔

"پرسوں اماں مجھے چھوڑ گئیں۔" ضبط کی کوشش میں اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

"کہاں چلی گئیں؟ میرا مطلب ہے......" وہ بوکھلا گئے تھے۔

"کہاں مرگئیں۔ مجھے تنہا چھوڑ کر چلی گئیں۔ کاش وہ نہ مرتیں میں ہی......" ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر وہ اچانک بلک اٹھی تھی وہاب شاہ اپنی جگہ پہ حق دق بیٹھے رہ گئے گویا اس پہ اتنی بڑی قیامت بیت گئی تھی اور وہ بے خبر تھے اپنی کوتاہی پر انہیں سخت ملال نے آن گھیرا۔

"آئی ایم سوری!" اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے وہ فقط یہی کہہ پائے جبکہ وہ درشتی و سختی سے ان کا ہاتھ جھٹکتی ہوئی سرعت سے پیچھے ہٹی تھی۔

http://primenovels.blogspot.com/

"مت چھوؤ مجھے وہاب شاہ! مجھے تمہارے لمس سے گھن آتی ہے۔" چیخ نما دھاڑ وہاب شاہ کو ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل گئی۔ وہ خطرناک حد تک زرد پڑتی رنگت سمیت ٹکر ٹکر اس کے چہرے سے چھلکتے نفرت کے تاثر کو دیکھتے رہے۔ "تم کیا سمجھتے تھے میں نے کیوں تم سے تعلق جوڑا! ایسے لمحات جس لڑکی کی زندگی میں آتے ہیں وہ عمر بھر خود سے بھی نگاہ ملانے کے قابل نہیں رہتی۔ اگر خودکشی حرام نہ ہوتی تو میں اس روز موت کو گلے لگالیتی۔ سامنے منہ پھاڑے کھڑی رسوائی سے بچنے کا واحد راستہ وہی تھا جو تم نے مجھے دکھایا تھا لیکن اس جائز تعلق کے استوار ہونے کے بعد بھی میرا دل کسی طور تمہاری جانب مائل نہیں ہے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو وہاب شاہ کہ میں نے تمہیں معاف کردیا تو یہ بھول ہے تمہاری۔ تمہیں میری بددعا ہے کہ تم بیٹی کے باپ ضرور بنو تاکہ اس کے ساتھ......"

"علینہ......!" وہ پوری جان سے کانپ کر چلائے تھے۔ "خدا کے واسطے علینہ یہ بددعا نہ دو مجھے۔" وہ اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر سسکے تھے۔ "جو کچھ ہوا اس میں میرا ارادہ کہاں تک تھا میرا خدا شاہد ہے۔ میں......"

"ختم کرو بس، مجھے تمہاری کہانی سے دلچسپی نہیں مگر ایک بات سن لو اب یہاں میں تمہارا بننے سے قاصر ہوں اور تمہارا ساتھ مجھے ہرگز بھی گوارا نہیں۔ سو میں یہاں سے جارہی ہوں تمہاری اولاد بیٹے یا بیٹی کی صورت جو بھی ہو، میں نہیں سمجھتی اس پر تمہارا تھوڑا سا بھی حق ہے سو کبھی مجھے ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ میں وہ سب کچھ پوری دنیا کو بتادوں گی۔" انہیں وہیں چھوڑ کر وہ اندر کمرے میں جا گھسی تھی اور دروازہ اندر سے مقفل کرلیا تھا۔ وہاب شاہ شکستہ سے انداز میں لوٹ آئے تھے۔ یہ ایک ایسی عورت کا انتقام تھا جس سے زیادتی ہوئی تھی یا کچھ اور...... وہ سمجھ نہیں پائے تھے، بہرحال انہوں نے دل پر جبر کرکے اس باب کو ہمیشہ کے لیے بند کرڈالا تھا۔

❀......❀......❀

اپنے تئیں وہ جس باب کو بند کر آئے تھے وہ ایک کسک اور احساس جرم سمیت ہمیشہ کے لیے ان کی زندگی میں زہر گھولتا رہا اور سلمیٰ بیگم جو ان کی تمام تر توجہ اور محبت کی عادی رہی تھیں ان کے اضطراب، بے کلی اور وحشتوں کو پائے بغیر نہ رہ پائیں۔ وہ ان کی ذات کے اس اسرار کو پانے کی اکثر و بیشتر کوشش کرتیں اور ایک روز جب وہاب شاہ احساسِ جرم سے بے حد بے چین تھے ان سے کچھ بھی مخفی نہ رکھ پائے۔ سلمیٰ بیگم شوہر کی ذہنی حالت کو سمجھے بغیر ان کی بے وفائی کا ثبوت ہاتھ لگنے پر گم صم سی ہو گئیں، ان کی دس سالہ بے لوث رفاقت میں انہیں یہ جرم بہت گراں محسوس ہوا تھا جو شاید وہ عمر بھر معاف نہ کرپاتیں کہ انہی دنوں ان کی بے اعتنائی سے وہ اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ دل کا پہلا دورہ پڑا تو ان کی سرد مہری اور خفگی کہیں دور جا چھپی۔ شریک حیات کی ذہنی ابتری کو انہوں نے پہلی بار بہت باریک بینی سے سمجھا اور تمام شکوے شکایات بھلا کر پھر سے وہی سلمیٰ بیگم بن گئیں جو شادی کے اولین دنوں کی سلمیٰ بیگم تھیں پھر ہر آن نازک لمحات میں انہوں نے اپنے ساتھی کی دلجوئی کی تھی، جب جب وہ ٹوٹتے بکھرتے، یہاں تک کہ ان کی اعلیٰ ظرفی اور وسیع قلبی کا وہاب شاہ کو بھی قائل ہونا پڑا کہ وہ اکثر اپنی اس نادیدہ اولاد کا غیر شعوری طور پر ان سے تذکرہ کرجاتے جسے کبھی انہوں نے دیکھا تھا نہ محسوس کیا تھا اور سلمیٰ بیگم ان کی باتیں بہت تحمل سے نہ صرف سنتی بلکہ مسکرا کر کبھی لقمہ بھی لگا دیتیں تو وہاب شاہ اس کیفیت کے حصار سے چونکتے انہیں دیکھ کر خجل سے ہو جاتے مگر ان کی مسکراہٹ یونہی قائم رہتی اور اس بات کو بڑھاتے ہوئے کہتیں۔

"مجھے بھی یہی لگتا ہے۔"

"کیا......؟" وہ بے خودی کی کیفیت میں جو کہہ چکے ہوتے اسے بھلائے متحیر نگاہوں سے انہیں دیکھتے۔

"یہی کہ اللہ نے چوتھی اولاد کی صورت آپ کو بیٹی ہی دی ہوگی۔" وہ مسکرا کر کہتیں تو وہاب شاہ کے کان اس آواز کی بازگشت کو محسوس کرتے تب وہ لب بھینچ لیتے۔

ان کی قبل از وقت ریٹائرمنٹ کی وجہ وہ اضطراب تھا جو اکثر انہیں اپنے حصار میں جکڑ لیتا تھا۔ یہ بائیس سال جس طرح گزرے تھے یہ وہی جانتے تھے۔ لمحہ لمحہ اذیت سے بھر رہا تھا مگر بظاہر وہ مطمئن نظر آتے تھے۔ وہ بھی ایک ایسا ہی دن تھا جب انہیں آذر کا فون موصول ہوا تھا۔ اپنا مختصر سا تعارف کروانے کے بعد اس نے مدعا بیان کیا تو وہاب شاہ کتنی دیر تک اپنی جگہ سے حرکت تک نہ کرسکے۔ عثمان شاہ جو اس وقت ان کے پاس تھا اور فوری کال اسی نے ریسیو کی تھی ان کی حالت پہ خوف زدہ سا ہوگیا۔ جب سے انہیں دل کا مسئلہ ہوا تھا ان کے اضطراب کی وجہ ماں کے ذریعے بچوں کے علم میں آ چکی تھی۔

"اطمینان رکھیے پاپا...... آپ خود کو پرسکون رکھیں، ہوسکتا ہے کوئی محض آپ کو خوف زدہ کرنے کے لیے اس قسم کا ہتھکنڈا استعمال کررہا ہو۔ یہ شرارت گاؤں سے بڑے چاچا یا پھر زوار شاہ کی بھی ہوسکتی ہے۔ بہرحال آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میں ساری معلومات کرواتا ہوں۔" انہیں حوصلہ دیتا ہوا عثمان شاہ اٹھ کر چلا گیا تھا۔ شام تک وہ آذر سے مل کر لوٹا تو چہرے پر خوشی اور جوش اس کی سرخ و سفید رنگت کو تمتما رہا تھا۔

"مبارک ہو پاپا! ہے تو حیرت انگیز مگر ہے سچ۔ واقعی وہ شخص سچا ہے، وہ اسی عورت کا بیٹا ہے جن کے ہاں چھوٹی مما نے پناہ لی تھی۔ اس کی ماں چھوٹی مما کی گہری دوست تھیں۔ الوینہ یعنی ہماری بہن کی پیدائش وہیں ہوئی تھی میں الوینہ کی پیدائش کا سرٹیفکیٹ اور آپ کا اصل نکاح نامہ اور چھوٹی مما کی تصویریں وغیرہ لے کر آیا ہوں۔" وہ چھوٹی سی منی لیے بریف کیس سے نکال کر ان کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ "چھوٹی مما کا انتقال تو الوینہ کی پیدائش کے فوری بعد ہی ہوگیا تھا۔ ان کی دوست ان کے دیے گئے وعدے کے پاس کی وجہ سے آپ سے دانستہ رابطہ نہیں کرپائیں اور اب جبکہ وہ خود بہت بیمار ہیں اور اسپتال میں ہیں تو الوینہ کو اس کے اصل ٹھکانے پر پہنچا کر اپنا فرض پورا کرنا چاہتی ہیں۔" اپنی دھن میں جوش سے بولتا ہوا عثمان یکلخت خاموش ہوا تھا اور وہاب شاہ دل تھامے ایک جانب کو ڈھلک گئے تھے۔

❀......❀......❀

الوینہ پہ پہلی نگاہ ڈالتے ہی وہ جیسے منجمد ہو کر رہ گئے تھے وقت جیسے انہیں تیئس سال پیچھے لے گیا تھا۔ ملکوتی نقوش اور دودھیا رنگت کا جاذب نظر نکھار لیے وہ علینہ کا ہی عکس معلوم ہوتی تھی۔ ماسوائے اداس آنکھوں کے جو ان سے چرائی تھیں۔ لانبے گھنیرے بال اور نازک مرمریں سراپا۔ اگر عثمان شاہ کوئی ثبوت نہ بھی لاتا تب بھی وہ ایک نگاہ میں اسے پہچان جاتے۔ ان کا دل یہ گواہی دے رہا تھا کہ وہ ان کا خون انہی کا جگر گوشہ تھی آخری خدشہ انہیں سلمیٰ بیگم سے تھا، جانے وہ اسے اس فراخ دلی سے قبول کر بھی پاتیں یا نہیں...... مگر سلمیٰ بیگم نے ان کی توقع سے بڑھ کر الوینہ کو عزت دی تھی اور گویا ان کے اس خدشے کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا تھا۔

"وہاب شاہ! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" چیخ کی آواز سے کمرا دودھیا سفید روشنی سے نہایا تو وہاب شاہ جو ماضی کی بھول بھلیوں میں گم تھے ہڑبڑا کر سیدھے ہوئے۔

"آپ ٹھیک تو ہیں شاہ؟" سلمیٰ بیگم گھبرا کر قریب چلی آئیں۔

"آں ہاں، ٹھیک ہوں۔" ایک بھولی بھٹکی سی مسکراہٹ ان کے تھکن زدہ چہرے پہ لمحہ بھر کو ابھر کے معدوم ہوگئی تو سلمیٰ بیگم نے سرد آہ بھر کے نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا۔ ان کے تھکے ماندے شکستہ سے انداز کو دیکھ کر انہیں یہ جاننے میں محض ایک پل لگا تھا کہ وہ کن سوچوں میں گم تھے۔

"الوینہ کیسی ہے...... اسے نیند تو اچھی آئی؟" ان کا اگلا سوال کمبل تہہ کرتے ہوئے سلمیٰ بیگم کے ہاتھوں کو ساکن کر گیا۔ پلکیں اٹھا کر انہوں نے ان کے چہرے کے اضطراب کو دیکھا۔ اس شخص کی زندگی کا ہر رخ ان پر عیاں تھا سوائے اس ایک رخ کے اور وہ سب سے زیادہ اس لمحے سے شاکی تھیں جس نے ان سے ان کا شوہر تقسیم کرڈالا تھا۔ معاً وہ ان کی سوالیہ نگاہوں کا ارتکاز محسوس کرکے سنبھلیں۔ ان کی اس بے چینی سے وہ بہت اچھی طرح آگاہ تھیں۔ اب اس عورت کی اولاد کو بھی ان نگاہوں کے سامنے دیکھنا کوئی الگ کیفیت محسوس ہورہی تھی۔ انہیں لگتا تھا جیسے وہ بہت جلد ضبط کھودیں گی۔

"ہوں...... ابھی میں اس کے پاس سے آئی ہوں، اطمینان رکھیں شاہ! وہ اپنے گھر میں ہے یہاں اس کے لیے قدم قدم پر اپنائیت اور محبت ہے فکر مت کریں۔" کمبل تہہ کیے بغیر وہ ان کے پاس آکر بازو پہ ہاتھ رکھ کے تسلی آمیز لہجے میں بولیں تو وہاب شاہ ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بے ساختہ مسکرا دیے ایک بھرپور آسودہ مسکراہٹ۔

"مجھے پتا ہے کہ تم میرے تین بیٹوں کی ہی نہیں بیٹی کی بھی ماں ہو۔" ان کا مان بھرا لہجہ سلمیٰ بیگم کی شہابی رنگت میں تمتماہٹ بھر گیا۔

"میرے اللہ مجھے ہمیشہ اس شخص کی نگاہوں میں یونہی سرخرو رکھنا۔" ان کا دل چپکے سے رب کے حضور گزارش پہنچانا نہیں بھولا تھا۔

❀......❀......❀

حنان شاہ کی شادی ہوچکی تھی۔ ساریہ ان کی بیوی تھی۔ نازک اندام اور بے انتہا نرم طبیعت کی وہ دلکش لڑکی دو بچوں کی ماں ہوکر بھی اتنی کانشس سی تھی کہ الوینہ کو یقین ہی نہ ہوسکا تھا کہ سچ مچ اس کی شادی بھی ہوچکی ہے۔ جس روز الوینہ گھر آئی وہ اپنے میکے میں تھی۔ الوینہ کے آنے پہ حنان خاص طور پر اسے

http://primenovels.blogspot.com/

لے آئے تھے۔ عبداللہ اور عبدالرحمٰن ان کے جڑواں بچے بے حد پیارے تھے۔ ساریہ نے اپنی بے تکلف طبیعت کے باعث پہلے روز ہی اجنبیت کی دیوار کو گرا ڈالا۔ پھر عثمان شاہ لندن سے بار ایٹ لاء کی اعلا تعلیم حاصل کرکے آج کل باپ کے نقش قدم پہ چلتا ہوا وکالت کے میدان میں خوب نام کمانے کی کوششوں میں تھا اور کامیاب بھی تھا۔ اس کی منگنی اسحاق شاہ کی سب سے چھوٹی بیٹی لائبہ سے اس وقت ہوئی تھی جب وہاب شاہ ان مشکلات سے گزر رہے تھے اور لائبہ کی پیدائش پر سلمٰی بیگم نے جوان دنوں عذرا بیگم کی مٹھی میں تھیں۔ عذرا بیگم سے اپنے عثمان کے لیے اسے مانگ لیا تھا۔ جانے انہیں اسحاق شاہ اور عذرا بیگم کو وہ وعدہ یاد تھا یا نہیں البتہ سلمٰی بیگم کے دل پر یہ بات ابھی بھی لکھی ہوئی تھی اور وہ لائبہ کو بہو بنانے کی خواہاں تھیں۔ یہ بات کسی نہ کسی طرح عثمان شاہ تک بھی جا پہنچی تھی جو وہاب شاہ کو چھیڑنے کی غرض سے اکثر و بیشتر اپنی منگیتر کے مانگ کے لیے بڑے بڑے دعوے کیا کرتا تھا اس کے بعد غیب تھا سب سے چھوٹا اور لاڈلا جو انجینئرنگ کے آخری سال میں تھا۔ تینوں بھائیوں میں سے عثمان ہی خاندانی معاملات میں دلچسپی لیتا تھا۔ جائیداد میں حصے کا مطالبہ بھی اسی نے کیا تھا پھر کسی نہ کسی طرح وہاب شاہ کو قائل کرنے کے بعد وہ ان دنوں اس کیس پہ جان توڑ محنت کر رہا تھا۔ جس کا نتیجہ اللہ جانے کیا نکلنا تھا۔

❁......❁......❁

وہاب شاہ نے ایک گرینڈ پارٹی کا انعقاد کرکے اپنے سرکل میں جس فخر و اعزاز سمیت الوینہ کا تعارف اپنی بیٹی کی حیثیت سے کروایا تھا اس نے الوینہ کے دل میں جو عمر بھر کی اپنی نظر اندازی کی آخری پھانس تھی وہ بھی نکال دی تھی۔ سفید جالی کے انتہائی نفیس دیدہ زیب کڑھائی کے اسٹائلش لباس میں وہ اپنی مسحور کن خوب صورتی سمیت سلمٰی بیگم کے ساتھ کھڑی خاصی نروس دکھائی دے رہی تھی جب غیب نے قریب آتے ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹ لیا تھا۔

"ارے کہاں لے جا رہے ہو مجھے؟" وہ بدحواس سی ہو کر چیخ رہ گئی مگر غیب ان سنی کیے اسے یونہی کھینچتا ہوا ایک جگہ آ کے تھم گیا۔ سوئمنگ پول کے ساکن پانی میں برقی قمقموں کا جھلملاتا عکس اس رات کی خوب صورتی میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔

"وہ دیکھیں، عثمان بھائی......" غیب نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر ایک سمت اشارہ کیا جہاں عثمان شاہ بلیک ڈنر سوٹ میں تمام تر مردانہ وجاہتوں سمیت حسین و طرح دار لڑکیوں میں گھرا کھڑا تھا۔ "اس تقریب کے ہیرو ہیں موصوف۔" وہ مسکرایا۔

"اس میں کیا شک ہے؟" اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھتی ہوئی وہ تفاخرانہ انداز میں مسکرائی تھی تب غیب آنکھوں میں بلا کی شوخی و شرارت سموئے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"اور اس تقریب کی سب سے خاص اور اہم شخصیت پتا ہے کون ہے؟"

"عثمان بھائی!" اس نے بے اختیار کہا تو غیب نے یونہی نفی میں سر ہلاتے انگشت شہادت سے اس کی پیشانی پر ٹھوکا لگا کر مسکراہٹ لبوں میں دبائی۔

"نہیں آپ......" اس کے کان تپ اٹھے اور گلابی چہرے کی ملاحت و جاذبیت میں خفیف سی خجالت بکھری۔

"بکواس۔" وہ جھینپ کر کتراتے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"یقین نہیں آتا نا! مجھے بھی نہیں آیا تھا بھلا آپ میں اتنا پسند کرنے والی کون سی چیز ہے مگر یہ بات سبزواری یا سیٹھ کریم بخش کو کون سمجھائے جو اپنے لائق فائق سپوتوں کے پرپوزل ایک نظر آپ کو دیکھ کر ہی پاپا کے آگے رکھ چکے ہیں۔" وہ کچھ ٹھہر کر بولا تو لہجہ خوب شرارتی تھا۔ اب کے الوینہ نے بری طرح چونکتے ہوئے متوحش نگاہوں سمیت اسے دیکھا تھا۔

"کک...... کیا مطلب؟" وہ گڑبڑائی...... دل کی دھڑکنیں منتشر سی ہوگئیں جبکہ چہرے پہ ایک واضح اضطراب سا در آیا۔

"مطلب یہ بھئی کہ وہ لوگ آپ کو اپنی بہو بنانا چاہتے ہیں۔ اب دیکھیں دونوں پرپوزلز میں سے کون سا منتخب کیا جاتا ہے ڈاکٹر الوینہ شاہ کے لیے۔" معنی خیز نرم نگاہ اس کے فق ہوتے چہرے پہ ڈالتا ہوا وہ مسکرا کر کہہ گیا۔ الوینہ کی سانسیں اٹکنے لگیں۔ ایک کٹھن اور دشوار مرحلہ کتنی آہستگی سے بنا آہٹ کیے اس کے سر پہ آ پہنچا تھا۔ غیب کے اس انکشاف نے گویا اس کی قوت گویائی چھین کر لمحوں میں سن کر ڈالا۔ اسے لگا تھا اگر مزید ایک پل بھی وہ وہاں رکی تو یقیناً گر جائے گی۔ اس کی ٹانگیں جیسے بے جان ہوتی جا رہی تھیں۔ جبھی وہ دھڑکنوں میں

اٹھتے سرکش بھنور کو دباتی ہوئی پلٹ کر تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بھاگی تھی جبکہ غیب بے ساختہ زور سے ہنس پڑا تھا۔ اس کا خیال تھا اس کے یوں بھاگنے کے پیچھے جو وجہ تھی وہ اس کا شرما جانا تھا۔

❁......❁......❁

وہ اس بات کو ذہن سے جھٹک دیتی اگر اگلے روز ہی وہاب شاہ اس کے کمرے میں آ کر اس سے اس موضوع پر بات نہ کرتے۔

"پاپا جان! آپ نے کیوں تکلیف کی مجھے بلا لیا ہوتا۔" انہیں اپنے کمرے میں آتا دیکھ کر وہ جو حنان بھائی کی اسپتال جوائن کرنے کی پیشکش پر غور کر رہی تھی، قدرے چونک کر بوکھلاتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی بولی تو جواب میں وہاب شاہ بھرپور انداز میں مسکرائے اور اسے شانوں سے تھام کر خود سے قریب کر لیا۔

"اپنی بیٹی کے پاس آنے میں مجھے تکلیف نہیں، راحت محسوس ہوتی ہے۔ ہمیشہ یہ یاد رکھنا! تمہارے پاپا جتنے بھی بوڑھے ہو جائیں مگر بیٹی کے پاس آنے میں وہ کبھی تھکن محسوس نہیں کریں گے۔" اس کا سر تھپکتے ہوئے انہوں نے جس حلاوت و محبت سے کہا تھا الوینہ کی آنکھیں گیلی ہونے لگیں۔

"بیٹا! سبزواری اور سیٹھ کریم بخش کے بیٹوں کے پرپوزلز ہیں، بیٹا تو سبزواری کا بھی بہت اچھا ہے، پڑھا لکھا قابل مگر مجھے ذاتی طور پر عزیر زیادہ پسند ہے۔ انگلینڈ سے اعلٰی تعلیم حاصل کرکے لوٹا ہے، اب باپ کے بزنس میں شریک ہوا ہے۔ میری پھولوں سی بچی کے لیے وہ بہت مناسب رہے گا۔ خوب صورت بھی بہت ہے اور سلجھا ہوا بھی۔" انہیں اپنے کمرے میں آتے دیکھ کر جو انجان سا اضطراب اس کے اندر اٹھا تھا وہ پاپا کی ادھر ادھر کی چند باتوں کے بعد اصل بات پر آتے ہی گہرے شاک میں بدل گیا۔ وہ متغیر چہرے اور گم ہوتی دھڑکنوں سمیت پوری طرح ان کی بات بھی نہ سمجھ پائی۔ زوار شاہ کا مخصوص اکھڑ اور تند تاثرات سے سجا چہرہ تصور میں آتے ہی اس کی آنکھوں تلے جیسے اندھیرے چھانے لگے تھے۔

"پاپا جان! پلیز ابھی یہ بات مت کریں، ابھی تو میں نے آپ کی محبتوں اور شفقتوں کو محسوس بھی نہیں کیا۔" ان کے بازو سے سر ٹکاتی وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تو وہاب شاہ اسے روتے دیکھ کر گھبرا سے گئے۔

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

ماہنامہ نئے اُفق

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کریں گے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زر سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے

امریکا' کینیڈا' آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

6000 روپے

مڈل ایسٹ' ایشیائی' افریقہ' یورپ کے لیے

5000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ' منی آرڈر' منی گرام ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہیں۔ مقامی افراد دفتر میں نقد ادائیگی کر سکتے ہیں۔

رابطہ: طاہر احمد قریشی...... 0300-8264242

نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز

کمرہ نمبر 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔
فون نمبر: 2/35620771-922+

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
circulationngp@gmail.com

http://primenovels.blogspot.com/

"نہیں نہیں بیٹے! آپ کی مرضی کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ میں تو آپ کا عندیہ اور رائے لیے بغیر کچھ نہیں کہوں گا ان لوگوں کو بلکہ ایسا کرتے ہیں اگر آپ چاہو تو عزیر کو کسی روز ڈنر پر بلوا لیتا ہوں آپ اسے دیکھ کر پھر فیصلہ......"

"پاپا جان...... پلیز۔" ان کی بات قطع کرتی وہ اس قدر لجاجت آمیز بے بسی سے بولی تھی کہ اب کی مرتبہ وہاب شاہ نے قدرے دھیان سے اس کا یہ اضطراب نوٹ کیا تھا۔

"ٹھیک ہے ابھی نہیں لیکن بیٹے پلیز اپنا ذہن تیار ضرور کرو۔ پاپا دل کے مریض ہیں اور آپ کی خوشی دیکھنے کے علاوہ اس فرض کی ادائیگی کے بھی خواہاں ہیں۔ ابھی میں انہیں ٹال دیتا ہوں لیکن انکار نہیں کرتا۔ رشتوں کی کمی نہیں ہے مگر بیٹے یہ لڑکا بہت اچھا ہے۔" اس کا سر تھپکتے ہوئے وہ اٹھ کر باہر آ گئے تھے۔ ان کا ذہن الجھ گیا تھا۔ اس عمر کی لڑکیوں کے برعکس الوینہ کے انداز میں اس موضوع کے ساتھ ہی جو وحشت اور سراسیمگی انہوں نے محسوس کی تھی وہ انہیں کھٹکانے کا باعث بنی تھی۔ شادی کے نام پر لڑکیوں کا شرمانا اور گھبرانا فطری بات تھی مگر الوینہ...... وہ جتنا سوچ رہے تھے الجھ رہے تھے۔ علینہ کی بددعا کی بازگشت انہیں بے چین کرتی رہتی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ اس کی طرف سے مکمل اطمینان اور آسودگی چاہتے تھے۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

ٹینشن اور گھبراہٹ نے اسے بیمار کر ڈالا تھا۔ بخار تو چند دن رہا البتہ گھر والوں کی محبت توجہ اور التفات نے اسے اگلے کئی دنوں تک صرف بستر تک محدود کر کے رکھ دیا۔ آٹھویں دن وہ اس قدر اکتائی کہ صبح اسپتال کے لیے تیار ہو کر کھڑے اس کی خیریت پوچھنے کے لیے آئے ہوئے حنان کے سامنے بے اختیار منت کر گئی تھی۔

"بھائی پلیز! مجھے اس بیڈ ریسٹ سے نجات دلوائیں یہ تو الٹا مجھے بیمار کر ڈالے گا۔" منہ بسور کر اس نے جس قدر بے بسی سے کہا تھا حنان شاہ مسکراتے ہوئے شرارتی نظروں سے اسے دیکھنے لگے تھے۔

"عجیب بے تکی لڑکی ہو تم! لوگ بیڈ ریسٹ کی خاطر جھوٹی بیماریاں گھڑ لیتے ہیں ایک تم ہو۔"

"مجھے تو معاف ہی رکھیں پلیز بھائی! مجھے اسپتال ساتھ لے جائیں نا ورنہ مما جان مجھے گھیر گھار کر پھر بیڈ پہ لٹا دیں گی۔" اس نے کچھ سی ناک چڑھا کر کہا تو حنان شاہ ایک بار پھر مسکرا دیے۔

"او کے ایسا کرو تم تیار ہو کر آ جاؤ میں مما جان اور پاپا جان سے سفارش کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے بات کچھ بن جائے۔" اس کا گال تھپک کر وہ کمرے سے نکل گئے۔ الوینہ کمبل پرے پھینکتی تیزی سے بستر سے نکل گئی۔ فریش ہونے کے بعد پیازی کلر کے جارجٹ شفون کے ہلکی کڑھائی کے سوٹ میں وہ موم کی گڑیا کی طرح ہی نظر آ رہی تھی۔ مسکراتی ہوئی آ کر پاپا جان کے مقابل کرسی پر بیٹھ گئی۔

"گڈ...... آج تو ہماری گڑیا بہت تر و تازہ اور خوب صورت نظر آ رہی ہیں۔" حنان نے اخبار ہٹا کر ایک نگاہ ڈال کر شوخی سے کہا۔

"آج کیا میری بیٹی ہمیشہ ایسی ہی نظر آتی ہے۔" پاپا جان نے لاڈ لگایا تو الوینہ جھینپ کر مسکرا دی۔

"چلو گڑیا تم تیار ہو؟" حنان شاہ نے کسی طرح سے اس کی حمایت کی تھی کہ پاپا مما میں سے کسی نے بھی احتجاج نہیں کیا۔ ماسوائے اسے اپنا خیال رکھنے کی بھرپور تاکید کے۔ وہ بیگ اٹھائے مسکراتی ہوئی حنان شاہ کے پیچھے ہو لی۔

"افوہ! آج تو بے چارے مریضوں کے امتحان کا دن ہے۔" منیب نے اسے چھیڑا۔

"امتحان کا یا نجات کا دن۔" وہ بھنویں سکیڑ کر بولی۔

"جی بالکل ایسی نجات کا کہ بے چارے سیدھے اوپر جائیں گے اللہ کے پاس دنیا کو بائے بائے کرتے۔" منیب مسکراہٹ دبائے شوخی سے گنگنایا تو الوینہ کا چہرہ دہک سا گیا اس نے بھرپور خفگی سمیت اسے گھورا۔ پھر حنان کو دیکھ کر بولی۔

"دیکھ رہے ہیں بھائی آپ۔"

"اسے یونیورسٹی تک برداشت کر لو پھر اسے وہاں پھینک کر ہم اسپتال چلے جائیں گے۔" انہوں نے گویا منیب کا موڈ آف کرنے کی پوری کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی رہے۔ وہ منہ پھلا کر انہیں دیکھنے لگا۔

"میں کوئی کوڑا کرکٹ ہوں جسے آپ پھینک دیں گے؟"

"یہ تو ہماری گڑیا بتائے گی کہ تم کیا ہو؟" حنان چھیڑنے سے باز نہیں آئے تھے۔ اسی قسم کی نوک جھونک میں انہوں نے منیب کو یونیورسٹی چھوڑا پھر اسپتال آ گئے۔ اس کا تعارف راؤنڈ کے دوران پورے عملے سے کروانے کے بعد حنان شاہ مصروف ہوئے تو الوینہ بچوں کے وارڈ کی طرف آ گئی تھی وہاں وقت

http://primenovels.blogspot.com/

گزرنے کا پتا نہیں چل سکا تھا۔ وہ تو جب حنان شاہ نے اسے کھانے کے لیے بلایا تب وہ چونکی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ ایک بار پھر وارڈ جانے کو اٹھی تھی جب حنان شاہ نے اسے پاپا جان کا پیغام دیا تھا۔

"مگر اتنی جلدی کیا ہے بھائی! میں آپ کے ساتھ چلی جاؤں گی نا!" واپسی کے بلاوے کا سن کر ہی اس نے منہ بنایا۔

"مجھے دیر ہو جائے گی آپریشن کرنا ہے مجھے۔ ابھی تم بیماری سے اٹھی ہو اتنی ڈیوٹی بھی بہت ہے۔ پاپا جان تمہاری وجہ سے بہت پریشان ہیں ایسا کرو تم ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ۔" ان کے طویل مگر تسلی بخش جواب پہ وہ سر ہلاتی اٹھ گئی تھی۔ گاڑی میں بیٹھنے کے ساتھ ہی اسے منیب کی برتھ ڈے پارٹی میں دینے کے لیے گفٹ کا خیال آیا تو ڈرائیور سے کہہ کر گاڑی کا رخ مارکیٹ کی طرف کروا دیا اس شہر میں وہ اجنبی نہیں تھی جو گھبرا کر اس کام کو ملتوی کر لیتی۔ گاڑی مارکیٹ کے پارکنگ میں رکوا کر ڈرائیور کو انتظار کا کہتی ہوئی وہ اپنی پیروں شال اور بیگ سنبھالتی ہوئی دروازہ کھلنے پر نیچے اتر آئی تھی۔ گفٹ اسپوریم کی طرف بڑھتے ہوئے وہ اس احساس سے قطعی بے نیاز تھی کہ زوار شاہ اسے بہت حیرت سے دیکھ رہا تھا اور اگلے ہی لمحے وہ گاڑی بڑھا کر عین اس کے پاس لے آیا۔ دروازہ کھٹاک کی آواز کے ساتھ کھلا اور اگلے ہی لمحے اس کا آہنی وجود اس کی راہ میں حائل ہوا الوینہ کو جھٹکا لگا کر تھم جانے پہ مجبور کر گیا تھا۔ اگر دور رکنے میں ایک پل کی بھی تاخیر کرتی تو یقیناً اس سے ٹکرا جاتی۔ بدتمیزی کے اس مظاہرے پر اس نے تلملائے ہوئے انداز میں سر اونچا کیا مگر اس کے مسکراتے ہوئے چہرے پہ نگاہ ڈالتے ہی جیسے اسے کرنٹ لگا تھا۔ دھڑکنوں میں غیر معمولی ہلچل مچی تھی۔ خوف سے پھٹی آنکھوں سمیت وہ بے ساختہ ہی دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"ہمیں نہیں پتا تھا جسے ہم دنیا کے چپے چپے میں چھانتے پھرتے ہیں وہ متاع جاں یوں سر راہ ہمیں آن ملے گی۔ اتنے دنوں کی تلاش کی داستان بعد میں سنائیں گے پہلے تو یہ بتاؤ ہماری زندگی کیسی ہے؟" اس کی کلائی تھام کر ہلکا سا جھٹکا دیتا ہوا وہ تند لہجے میں بولا۔ تب جیسے الوینہ کے اڑے اڑے حواس مزید مختل ہوئے تھے۔

"چھوڑو مجھے۔" اطراف میں موجود لوگوں کا خیال کرتی ہوئی وہ جیسے بھڑک کر بولی۔

"بہت غلط بات کرتی ہو ہمیشہ محترمہ عاشق نامراد نہیں ہیں ہم فاتح بن چکے ہیں وہ نام نہاد سزا ابھی آج ختم کر دیں گے کہ بہت سنا لیا تم نے۔" اس کے اشتعال کو خاطر میں لائے بغیر وہ اس پر جھکتا ہوا سخت برہمی سے بولا۔ اس سے پہلے کہ الوینہ جواب میں کچھ کہتی وہ اسے یونہی کھینچتے پجارو تک لا یا تھا۔ الوینہ اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے بری طرح سے مچلی تھی۔ "شور مچانے کی ضرورت نہیں تم سے اس قسم کی حرکت کی توقع تھی جبھی نکاح نامہ ساتھ لیے پھرتا ہوں۔" دروازہ کھول کر اسے سیٹ پر جھٹکتے ہوئے وہ بھینچے ہوئے لہجے میں غرایا تو الوینہ کا دم حلق میں اٹک گیا۔ اس نے آنسوؤں سے لبریز ہراساں نظروں سے اس کے تنے نقوش سے سجے مغرور اکھڑ چہرے کو دیکھا اور بے بسی کے احساس سے رو پڑی۔

"بڑے ٹھاٹ ہیں؟ کہیں کسی اونچی جگہ نوکری تو نہیں کر لی؟ مگر جاناں! یہاں تمہارے عاشق دل دار کے پاس کس چیز کی کمی ہے؟ ایک اشارہ تو کرو پوری دنیا تمہارے قدموں میں نہ رکھ دوں تو کہنا۔" اس کے سحر انگیز نازک سراپا پر بھرپور نگاہ ڈال کر وہ بہت ڈھٹائی سے بولا تو الوینہ کی پیشانی تپ اٹھی۔

"کہاں لے جانا چاہ رہے ہو مجھے؟ ایک بات یاد رکھنا زوار شاہ! میں تمہیں کبھی بھی تمہارے مذموم ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ تمہارے ساتھ وہ بدترین اور نفرت انگیز زندگی گزارنے سے ہزار درجے بہتر موت کو ترجیح دوں گی۔ میں شوٹ کر لوں گی خود کو اگر تم نے گاڑی نہ روکی تو۔" اندر کا خوف ظاہر کیے بغیر وہ بے دھڑک اور بے خوف لہجے میں کہتی ہوئی اس پر اپنی بھرپور نفرت ظاہر کر گئی تھی۔ زوار شاہ نے ٹھٹکتے ہوئے انداز میں اسے دیکھا پھر بغیر کچھ کہے لب بھینچتے ہوئے یک دم ہی گاڑی کی رفتار بڑھائی تھی۔ الوینہ نے سلگتی نظروں سے اسے گھور کر دیکھا اور بظاہر خود کو مضبوط ظاہر کرنے کے لیے گردن موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔ گاڑی کی رفتار خطرناک حد تک بڑھی تب اس نے تشویش میں مبتلا ہوتے ہوئے قدرے دہل کر اسے دیکھا تھا۔ بھینچے ہوئے لبوں پیشانی کی لاتعداد سلوٹوں اور اکھڑے ہوئے انداز میں وہ اسے قطعی نارمل نظر نہ آیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے رفتار کم کرو۔" وہ پھنکار کر بولی۔

"اکٹھے جی نہیں سکتے مرنے پہ تو پابندی نہیں ہے ڈیئر وائف۔ اور پھر کیا خوب ہوگا جب میرے ساتھ مرنے کے بعد دنیا تمہیں کس نظر سے دیکھے گی اور کیسے کیسے فسانے گھڑے

http://primenovels.blogspot.com/

جائیں گے۔ تمہارے ماتھے پہ تو نہیں لکھا ہے کہ تم میری بیوی ہو؟" سرد ترین کاٹ دار لہجہ اور نگاہ...... اف نگاہ ایسی اجنبی کہ الوینہ متوحش سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ گاڑی خطرناک حد تک برق رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی' دو تین بار ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا تھا۔ اس کے ساتھ اپنا آخری انجام تصور میں لاتے ہی وہ جیسے پوری جان سے کانپی تھی اور بے تحاشہ سراسیمگی میں گھرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"زوار! گاڑی کی رفتار کم کریں۔" اس نے گھبرا کر کہا مگر ادھر کوئی مطلق اثر نہ ہوا تھا بلکہ وہ جیسے اسے اذیت دینے کو ہی رفتار مزید بڑھا گیا تھا۔

"زوار! سنا نہیں آپ نے؟ پلیز گاڑی روک دیں۔" حواس کھوتی ہوئی وہ اس کے اسٹیئرنگ پر جمے ہاتھوں پہ اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر زور سے چیخی۔ "زوار...... زوار...... پلیز!" خوف دہشت اور بے بسی نے مل جل کر اس کے اعصاب جیسے جھنجھنا کر رکھ دیئے تھے۔ بس ایک ہی خیال تھا اگر وہ واقعی وہ کر گزرا جو کہہ رہا تھا تو اس کی موت بھی اس کے باپ اور بھائیوں کے لیے شرمندگی کا باعث بن سکتی تھی۔ یہ احساس اس قدر حاوی تھا کہ اسے خبر تک نہ ہوگی زوار شاہ کو اس کی اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش میں وہ اس کے کس حد تک نزدیک جا چکی ہے۔ زوار شاہ کے شعلہ فشاں موڈ کو اس کے خوشبودار وجود کے نرم و نازک لمس نے جیسے یکلخت پانی ڈال کر سرد کیا تھا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رکی اور وہ تیزی سے اس کی طرف پلٹ کر غیر یقینی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"تمہارے پیش نظر وجہ کچھ بھی ہو میرے نزدیک یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ تم یوں پہلی بار از خود میرے نزدیک آئی ہو پھر کیسے ممکن ہے جانِ زوار کہ زوار شاہ آپ کی حکم عدولی کا مرتکب ہو جائے۔" اس کے نازک مرمریں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے کر گرم جوشی سے دباتا ہوا وہ یکسر بدلے ہوئے موڈ میں آ چکا تھا۔ اس کی شوخ نگاہوں کی معنی خیزی نے الوینہ کو احساس دلایا تھا' اس کی حماقت کا' تب وہ اپنی نازک پوزیشن کا احساس ہوتے ہی شپٹا کر پیچھے کی جانب سرکی تھی۔ "نہ...... نہ...... میری زندگی یہ ستم نہ کرو۔ کتنے دنوں بعد تو میں نے تمہیں دیکھا ہے۔" جگمگاتے حسن سے نگاہوں کو خیرہ کرتا ہوا وہ سرگوشی کے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ الوینہ پل بھر میں بالکل سرد پڑ گئی۔

"دیکھو حد سے مت بڑھو۔" وہ خائف سی نگاہ گلاس ونڈو کے پار ڈالتی ہوئی اشتعال بھرے لہجے میں غرائی۔

"نکاح کے بول میری حدود لامحدود کر چکے ہیں مادام۔" اس کی پیشانی پر انگشت شہادت سے ٹہوکا دیتا ہوا وہ اس کے تمتماتے چہرے پہ معنی خیز نگاہ ڈال کر پُراعتماد لہجے میں بولا تو الوینہ کی نظروں سے درشتی و تنفر جھلکنے لگا۔

"میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میری زندگی میں تمہاری یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔" اس کی نگاہوں کی تپش پہ تلملاتی ہوئی وہ بولی تو زوار شاہ نے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔

"کیا چاہتی ہو تم......؟"

"جو میں چاہتی ہوں اس سے تم اچھی طرح آگاہ ہو یعنی تم سے طلاق۔" جواب میں اس نے بدتمیزی اور تلخی کی انتہا کر دی۔ زوار شاہ کا چہرہ بالکل پھیکا پڑ اتھا۔

"مجھے درندگی اور بے رحمی پہ مت اکساؤ الوینہ! تم میری محبتوں کے لیے بنی ہو' نفرتوں کو آواز نہ دو۔" وہ جیسے خود پر جبر کرتا ہوا بولا۔

"تم جو کرنا چاہتے ہو کر لو۔ میں ڈرتی نہیں ہوں تم سے سمجھے۔" جواباً اس نے نفرت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر غرا کر کہا۔ اب کی بار زوار شاہ کو خود پر کنٹرول رکھنا محال ہو گیا تھا۔

"بہت بدل گئی ہو ڈاکٹر الوینہ زوار شاہ! تم نڈر اور بولڈ تھیں' اس وجہ سے مجھے تم میں کشش محسوس ہوئی تھی کہ حسن کی تو کبھی بھی مجھے کمی نہیں رہی مگر اب کے تمہارے انداز جداگانہ ہیں اس بدتمیزی اور اعتماد میں جو گستاخی اور تیکھا پن ہے' یہ مجھے چونکا رہا ہے۔ شہر میں کس کے پاس ہو تم؟ بولو ورنہ بہت بری طرح سے پیش آؤں گا۔" وحشت بھرے انداز میں وہ سرخ سرخ آنکھوں سے گھور کر اس قدر غصے سے بولا کہ الوینہ کی ساری طراری اور بہادری ہوا ہونے لگی۔ دل کسی انجانے خوف کے حصار میں سمٹتا چلا گیا۔ اس میں شک نہیں تھا کہ وہ ابھی اسی کے رحم و کرم پر تھی۔

"میں تمہیں خبردار کر رہی ہوں! تم پہلے کی طرح مجھے کمزور اور بے بس نہ سمجھو۔" اس نے اپنے لہجے میں وہی تناؤ اور مضبوطی پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ الگ بات کہ دل اندر سے دہلا جا رہا تھا۔

"وہی پوچھ رہا ہوں' اب کون سی سیکیورٹی مل گئی ہے تمہیں' کس کی گاڑی تھی وہ جس سے تم اتری تھیں؟" اس کی کلائی پہ اس کی گرفت کچھ اور سخت ہو گئی اور آنکھوں کی سرخی کچھ اور گہری

http://primenovels.blogspot.com/

ہوئی' لہجے کے استحقاق میں برہمی و تنفر چھلکا تھا۔ الوینہ خائف سی ہو گئی۔

"میرے پاپا کی۔" اسے جواب تو دینا ہی تھا مگر اس جواب میں مخصوص قسم کا تفاخر نہ چھلک سکا۔

"کون ہے تمہارا باپ' اور یہ ایک دم سے کہاں سے آ دھمکا۔" اس نے ہونٹ سکوڑ کر حقارت سے کہا۔

"شٹ اپ!" الوینہ کو شدید قسم کی ناگواری محسوس ہوئی تھی جبھی بھڑکے ہوئے انداز میں بولی۔

"یو شٹ اپ! جو پوچھا ہے اس کا جواب دو ورنہ میں تمہاری ناگواری و ناراضگی کو خاطر میں لائے بغیر زبردستی بھی کر سکتا ہوں یاد رکھو یہ میری دی ہوئی چھوٹ ہے اگر میں اپنی من مانی کرنے پہ آؤں تو تم مجھے روک نہیں سکتیں۔" اس کے بے لچک سفاک لہجے میں جو دھمکی پوشیدہ تھی اس نے الوینہ کے اندر سرسراہٹ دوڑا دی۔

"بیرسٹر وہاب شاہ' میرے پاپا جان کا نام ہے' بس ہو گئی تسلی...... اب جاؤں؟" اس سے نگاہ ملائے بغیر بھرپور تلخی سے کہتے ہوئے وہ جیسے پھٹ پڑی جبکہ زوار شاہ کے اعصاب پر جیسے کسی نے بم پھوڑا تھا۔ اس قدر شاک میں تھا کہ کتنی دیر تک اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکا۔ الوینہ نے اس کے خطرناک حد تک سرخ پڑتے چہرے کو دیکھا اور اگلے ہی لمحے دروازہ کھول کر گاڑی سے اتر گئی۔ اصل حیرت اسے تب ہوئی تھی جب زوار شاہ نے اسے روکنے کی کوئی سعی نہیں کی اور وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی اس سے دور ہوتی چلی گئی تھی۔

❁......❁......❁

اسحاق شاہ نے اسے بتایا تھا کہ وہاب شاہ برسوں کی جلی چنگاری سے آگ بھڑکا چکا ہے۔

"جانے کون ہے کس کی اولاد ہے لے کے بیٹی بنا کر گھر میں لے آیا۔ بھلا بتاؤ حد ہوتی ہے بے وقوفی کی۔"

"بابا جان! بڑی بات ہے چاچا سائیں اپنی رام کہانی کی تو کسی کو ہوا نہیں لگوائی اور اس گناہ کی پوٹ کو گھر میں لے آئے۔ کیا ثبوت ہے اس بات کا کہ وہ ان کی وہی بیٹی ہے؟" کتنا بھڑکا تھا وہ بابا کے منہ سے یہ سب سن کر چونکہ وہ ساری حقیقت سے آگاہ تھا۔ بابا سائیں نے آج تک اس سے کچھ چھپایا تھا جو یہ چھپاتے۔

"چلو ہمیں کیا' جو مرضی کرے۔" اسحاق شاہ نے آگ بھڑکا کر بڑی بے نیازی سے بات ختم کرنا چاہی مگر وہ بات ختم کرنے والوں میں سے نہیں بڑھانے والوں میں سے تھا۔

"عثمان شاہ جو قانونی داؤ پیچ استعمال کر رہا ہے' اس کیس میں مجھے بہت خطرہ لاحق ہو گیا ہے بابا سائیں۔ تین سنپولیے تو پہلے سے تھے' چوتھی ناگن یہ شریک بن کے آ گئی جو مجھے کسی طور گوارا نہیں۔" اس نے بھڑک کر کہا تھا جبکہ اسحاق شاہ کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا...... ہم کیس ہار جائیں گے؟" انہوں نے شاک سے نکل کر غراتے ہوئے استفسار کیا۔

"ارے نہیں بابا! میں عثمان شاہ کو شوٹ کر دوں گا اگر اس قسم کی صورت حال پیدا کی اس نے۔" زوار شاہ انہیں تسلی دے کر نکل آیا تھا اور اب اس نے سگریٹ کا آخری کش لے کر بچا ہوا ٹوٹا دور اچھال دیا تھا۔ ادھر جلے سگریٹ کے سرے پہ سلگتا ہوا شعلہ کارپٹ کے روئیں کو سلگانے لگا مگر زوار شاہ کو ہوش کہاں تھا۔ وہ ابھی تک اس بات کے تیقن سے نہیں نکلا تھا کہ الوینہ ڈاکٹر وہاب شاہ کی بیٹی تھی تو وہی بیٹی تھی جو......؟ اس سے آگے اس سے کچھ سوچا نہیں گیا۔ دماغ کی رگیں اس قدر تنی تھیں کہ لگتا تھا کسی پل بھی پھٹ جائیں گی۔ آنکھیں دہک کر انگارہ ہو چکی تھیں۔ اس کے لیے یہ خیال ہی اذیت انگیز تھا کہ وہ جس لڑکی کے ساتھ اس حد تک انوالو ہو وہ کسی گناہ کا حاصل تھی۔ بھلے بعد میں وہاب شاہ نے اس استانی سے نکاح کر لیا تھا مگر اس کا انتہا پسند مغرور ذہن اس بات کو کسی بھی طرح قبول کرنے سے انکاری تھا۔

"نہیں ڈاکٹر الوینہ! بالکل نہیں' جب تک تم میرے نزدیک اہم تھیں تب تک میں نے تمہاری نفرت اور حقارت کو سہا اب اور نہیں' اب تو تم صرف میری ضد اور انتقام کا حصہ ہو۔ تمہارے بھائی اور باپ کو تمہاری وجہ سے جو شکست میں دوں گا وہ بہت اذیت ناک ہو گی اور تمہیں میں بتاؤں گا کہ تم اب میرے نزدیک کیا حیثیت رکھتی ہو۔" اس نے تنفر سے سوچا اور جیسے کسی نتیجے پہ پہنچ کر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

❁......❁......❁

اس کا وہ جوش شدید قسم کی جھنجلاہٹ میں تب ڈھلا جب اس نے بابا سائیں کو اپنا ارادہ ظاہر کرنے کے بعد آئندہ کے منصوبے سے آگاہ کیا۔ اس انکشاف کے بعد ان کی حالت بھی ویسی ہی ہوئی تھی جو زوار شاہ کی ہو چکی تھی مگر پھر وہ بھڑک

http://primenovels.blogspot.com/

اٹھے۔

''پاگل ہوئے ہو زوار شاہ! وہ ڈاکٹرنی تمہاری خوشی تھی' یہ سوچ کر میں نے تمہیں من مانی کی اجازت دی تھی' بس اب اسے اس حویلی کی بہو بنانے کے خواب نہ دیکھو۔'' ان کے لہجے میں غراہٹ در آئی۔

''مگر بابا سائیں میں......''

''اگر نہ مگر...... زوارے! میری محبت اور ڈھیل سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا۔ پوری دنیا کی لڑکیاں مر نہیں گئیں کہ میں اسے بہو بنالوں۔'' انہیں جب غصہ آتا تھا تو ایسا ہی آتا تھا۔ جیسے سمندر میں شدید طوفان۔ پھر تو زوار شاہ بھی ان کے سامنے حقیر تنکے کی مانند ہوتا مگر یہاں ان کی نہیں مان سکا۔ وہاں سے چپ چاپ اٹھ آیا تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ان سے دب گیا تھا۔ وہ بھی انہی کی اولاد تھا۔ دبنے والوں میں سے نہیں دبانے والوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ خاصی دیر تک جھنجلاتے رہنے اور کشیدہ اعصاب پہ کنٹرول کرتے رہنے کے بعد اس نے سیل فون نکال کر عثمان شاہ کا نمبر ملایا۔ دوسری جانب بیل جا رہی تھی۔ یہ چند لمحے انتظار کے زوار شاہ کو بہت ناگوار محسوس ہوئے تھے۔

''ہیلو السلام علیکم!'' شائستگی سے بھرپور دلکش بھاری مردانہ آواز زوار شاہ کے لبوں پر زہر خند مسکراہٹ بکھیر گئی۔

''عثمان شاہ بات کر رہے ہو؟'' اس نے گہرے طنز سے کہا۔

''سوری! میں آپ کو پہچان نہیں پایا۔ آپ کون؟'' دوسری جانب ایک بار پھر اسی شائستگی کا مظاہرہ ہوا۔

''مجھے نہیں پہچانے؟'' وہ گہرے طنز سے ہنسا۔

''جی نہیں' کون ہیں آپ؟'' عثمان اب کے قدرے چونکا۔

''تمہارا بہنوئی' زوار شاہ۔'' ہونٹ سکوڑ کر جس قدر نفرت لہجے میں سموئی جاسکتی تھی سمو کر اس نے کہا۔ دوسری جانب یکلخت خاموشی چھا گئی۔

''تمہارا دماغ لگتا ہے کسی گہرے صدمے کے زیر اثر ہے زوار شاہ! لائبہ کے حوالے سے میں تمہارا بہنوئی ہوں سالے صاحب۔'' کچھ لمحوں کے معنی خیز توقف کے بعد وہ جس ٹھہرے ہوئے سرد اور تمسخرانہ لہجے میں غرا کر بولا تھا اس نے زوار شاہ کا چہرہ دہکا کر انگارہ کر ڈالا۔ آنکھوں میں گویا خون اتر آیا ہو۔

''شٹ اپ' جسٹ شٹ اپ اگر دوبارہ ایسی بات کی تو زبان کھینچ کر ہاتھ پر رکھ دوں گا۔''

''فضول بکواس کرنے کی بجائے اگر تم میری بات پہ غور کرلیتے تو بھڑکنے کی ضرورت پیش نہ آتی' جاؤ اور جاکے اپنی نام نہاد بہن ڈاکٹر الوینہ سے پوچھو زوار شاہ اس کا کیا لگتا ہے؟'' سرد لہجے میں کہتے ہوئے وہ اگلے ہی لمحے سلسلہ منقطع کرچکا تھا۔ اس کا موڈ بری طرح خراب ہوگیا تھا۔

❀......❀......❀

فون ہاتھ میں لیے عثمان شاہ شاک کی سی کیفیت میں رہا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ جتنا سوچتا اتنا ہی الجھتا جارہا تھا۔ دروازے پر دستک دے کر ملازمہ نے اندر جھانکا۔

''صاحب جی! بیگم صاحبہ کھانے پہ بلا رہی ہیں۔'' عثمان شاہ نے چونکتے ہوئے ٹھنڈا سانس بھر کے پہلے اسے پھر ہاتھ میں پکڑے فون کو دیکھا اور طیش کے عالم میں فون بستر پر پٹخ دیا۔ کشیدہ اعصاب کو کنٹرول کرنے میں اسے خاصی دقت ہورہی تھی۔ تب تک ملازمہ ایک بار پھر اسی پیغام کے ساتھ آچکی تھی۔

''اوہ آتا ہوں بھئی' تم جاؤ۔'' ملازموں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا ان کی تربیت کا حصہ نہیں تھا' جبھی غصے کی زیادتی کے باوجود وہ جھنجلاتا ہوا واش روم میں گھس گیا۔ پاپا اور مما کے درمیان بیٹھی نیپ کی نوک جھونک پہ ہنستی مسکراتی الوینہ پہ گاہے بگاہے اس کی اٹھتی نگاہ بہت اضطراب سموئے ہوئے تھی۔ اس کے اندر اٹھتے سرکش جنون اس کے اضطراب کے گواہ تھے الوینہ کا نگاہوں کو خیرہ کرتا حسن ایک پل کے لیے زوار شاہ کی بات کے سچ ہونے کی گواہی دیتا تو اگلے ہی لمحے اس کے دودھیا اجلے چہرے پہ پھیلی بلا کی جاذبیت اور مسحور کردینے والی معصومیت اس کے خیالات کی نفی کردیتی' بھرپور رعنائی سے بوجھل دلکش سراپا نازک سبک نقوش زوار شاہ جیسے خردماغ اور اکھڑ بندے کو بھی کچھ ہٹ کر سوچنے پر اکسا سکتے تھے۔ اس کی بات کو سوچتے ہوئے وہ مضطرب ہوکر یکلخت کرسی دھکیل کر کھڑا ہوگیا۔

''کیا ہوا بیٹا...... کھانا کیوں چھوڑ دیا...... کچھ پسند نہیں آیا؟'' ایکا ایکی سبھی اس کی طرف متوجہ ہوئے جبکہ سوال مما جان نے کیا تھا۔ وہ اتنی ساری نظروں کے سوالوں پر ششپٹا سا گیا۔

''نہیں ایسا نہیں ہے بس میری کچھ طبیعت اچھی نہیں

الوینہ! تم کھانے کے بعد پلیز ایک کپ چائے بنا کر میرے کمرے میں دے جانا۔'' اپنی طرف خاصی تشویش سے دیکھتی الوینہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ کر باہر نکل گیا۔ پھر جب تک وہ اس کے کمرے میں نہ آگئی وہ وحشت بھری سوچوں کے حصار میں گھرا بے تابی سے ٹہلتا رہا۔

''کیا ہوگیا بھائی! آپ نے تو پریشان ہی کردیا۔ مجھ سے تو فکر کے باعث کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ مما جان کہہ رہی تھیں اگر آپ کو کھانا نہیں کھانا تو دودھ کا گلاس ضرور سونے سے پہلے لے لیجیے۔'' بھاپ اڑاتی چائے کا کپ ٹرے میں سجا کے وہ زور و شور سے بولتی ہوئی اندر آئی تو عثمان شاہ بغور اسے دیکھنے لگا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں بھائی؟'' کپ اس کی سمت بڑھاتے ہوئے وہ ٹھٹکی۔

''جو فکر اور بے چینی مجھے ہے اس نے میری بھوک صرف اڑائی ہی نہیں ختم بھی کرڈالی ہے الوینہ!'' چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے لے کر میز پر رکھتا ہوا وہ اسے شانوں سے تھام کر اپنے مقابل کرکے بولا۔

''جو کچھ پوچھوں بالکل سچ بتاؤ گی۔'' اس کا لہجہ اتنا عجیب تھا کہ الوینہ جواب دینے کی بجائے سراسیمگی میں گھری ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگی۔

''میں آپ کی مجرم نہیں ہوں بھائی! یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا؟ وکیل آپ کورٹ میں ہوں گے گھر کے اندر......''

''الوینہ پلیز...... میں سنجیدہ ہوں۔'' وہ واقعی اس بات کو مذاق سمجھی تھی کہ عثمان شاہ کے ایکا ایکی درشتی سے ٹوکنے پر وہ حیران ہوکر اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھنے لگی۔

''زوار شاہ کو جانتی ہو الوینہ! کون ہے وہ' تم سے اس کا کیا تعلق ہے؟'' اشتعال بھرے لہجے میں پھنکار کر کہا تو الوینہ کے جسم سے گویا جان نکل گئی۔ کاٹ دار نظروں میں کیسا قہر و غضب عیاں تھا بے اختیاری یا خفگی' اس کی تو قوت گویائی بھی جیسے سلب ہوکر رہ گئی تھی۔ عثمان کے لبوں سے زوار شاہ کا نام سن کر اس نے اس شاک سے سنبھلنا چاہا تھا مگر اس کا ذہن تاریک ہوتا چلا گیا تھا۔

❀......❀......❀

دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود پہ عثمان کا متفکر گھبرایا ہوا سراسیمہ چہرہ دیکھا تھا۔ ذہن کے جاگتے ہی جیسے اسے حواس کھونے کی وجہ یاد آئی تو کرب واذیت اور بے بسی کے احساس نے اس کی آنکھیں سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں شفاف پانیوں سے بھر دی تھیں۔

''الوینہ میری پیاری بہن' دیکھو میں معذرت کر رہا ہوں گڑیا! جانے کیوں مجھے اتنا غصہ آگیا۔ مجھے تم سے اس طرح بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔ پاپا جان کو نہیں بتانا پلیز ورنہ وہ میرے کان کھینچ کر لمبے کردیں گے۔'' اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیے وہ باقاعدہ منت کر رہا تھا۔ الوینہ اس کے ہاتھوں کو اپنے کانپتے لرزتے ہاتھوں میں تھام کر رو پڑی بالکل بچوں کی طرح بلک بلک کر۔ عثمان شاہ کچھ اور بھی بوکھلا گیا۔

''الوینہ پلیز! خود پر قابو رکھو! دیکھو گڑیا اگر اس وقت کوئی آگیا اور تمہیں یوں روتے دیکھا تو میرا کباڑا ہوجائے گا۔ پلیز سنبھالو خود کو۔'' اس کا سر تھپکتا وہ اب اس کے آنسو صاف کر رہا تھا۔ الوینہ نے خود کو سنبھالنے کی سعی کی مگر دل کچھ اس قدر وحشت انگیز انداز میں دھڑک رہا تھا کہ اس کی یہ کوشش بری طرح سے ناکامی سے دوچار ہوئی جانے کب کب کے آنسو گویا بند توڑ کر بہے جارہے تھے اسی طرح روتی سسکتی وہ اسے زوار شاہ کے متعلق سب کچھ بتا گئی تھی۔ عثمان شاہ کے وجیہ چہرے پہ جو تاثر ابھرا تھا وہ الوینہ کو خوف زدہ کرنے کو کافی تھا۔

''بھائی!'' اس نے سہم کر اسے پکارا۔

''جو کچھ بھی تھا الوینہ تمہیں نکاح کے پیپرز پہ سائن نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تمہیں اندازہ نہیں وہ کس قدر گھٹیا اور غلط انسان ہے۔'' عثمان نے بے حد گہرے رنج کے احساس سے کہا۔

''میں بہت اچھی طرح سے اس انسان سے آگاہ ہوں۔ میں نے اس کی حاکمیت ماننے سے انکار کیا تھا یہی برداشت نہیں ہوسکا بس۔'' اس نے بھرپور نفرت سے کہا تھا۔ عثمان محض اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''اب کیا چاہتی ہو تم...... میرا مطلب ہے اس معاملے کو......؟''

''بھائی یہ بات آپ کو مجھ سے نہیں پوچھنا چاہیے۔ میری مرضی سے آپ کو بن کہے آگاہ ہونا چاہیے۔ تب میں مجبور' بے بس اور کمزور تھی اس کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا مگر اب بھائی میں ہر صورت میں اس سے علیحدگی چاہتی ہوں پلیز میری مدد کریں۔'' بھیگے گال ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر وہ جس مضبوطی اور تنفر سے بولی تھی اس نے عثمان شاہ کو قدرے

http://primenovels.blogspot.com/

اطمینان بخشا تھا۔

"شکریہ الوینہ اور سنو میں تو پریشان ہوگیا تھا کہ اب وہ پتا نہیں کیا کرے۔"

"بھائی! پاپا جان کو پتا نہیں چلنا چاہیے پلیز۔" اس سے نگاہ چراتے ہوئے وہ مجرموں کے سے انداز میں بولی تو عثمان شاہ مسکرا دیا۔

"فکر مت کرو۔ ویسے تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ زوار شاہ پاپا جان کا سگا بھتیجا ہے۔ اس کے علاوہ موصوف کی بہن صاحبہ تمہاری ہونے والی بھابی ہیں۔" عثمان کی آخری بات پر اس کے لہجے میں جو شرارت اور شوخی در آئی تھی اس نے الوینہ کو چونکا ہی دیا تھا۔ وہ ایک دم سے گم صم ہوگئی تھی۔

❁......❁......❁

"لگتا ہے، بہن صاحبہ نے ہم سے گہرے اور انوٹ تعلق کی تصدیق کردی ہے جبھی تم مجھ سے ملنے پہ آمادہ ہوئے ہو؟" عثمان شاہ نے خود اسے فون کرکے ملنے کا کہا اور اب شہر کے فائیو اسٹار ہوٹل میں دونوں آمنے سامنے موجود تھے۔

"ویسے کیا ہی اچھا ہوتا جو تم اپنی بہن صاحبہ اور ہماری پیاری بیگم کو ساتھ لے آتے تو یہ شام کچھ اور بھی حسین ہوجاتی ہے۔" عثمان شاہ نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تو وہ بہت خباثت سے اسے گویا چھیڑ کر مسکرایا تھا۔

"شٹ اپ! اپنی زبان پر قابو رکھو سمجھے۔" ضبط کی کوشش میں اس کا چہرہ سرخ ہوا۔ زوار کے لبوں پر مسکراہٹ لحہ بھر کو لہرا کر معدوم ہوگئی۔

"مائنڈ کیوں کرتے ہو یار! جب رشتہ ایسا ہے تو اس کے اظہار......"

"زوار شاہ مجھے بدتمیزی پہ مت اکساؤ۔ میں سکون سے تم سے بات کرنے آیا ہوں۔ وہ سن لو گے تو تمہارے لیے اچھا ہے۔" وہ ایک بار پھر اس کی بات قطع کرکے بہت برداشت کا مظاہرہ کررہا تھا۔

"اچھا!" زوار شاہ زور سے ہنسا۔ "تم بدتہذیبی پہ اترو گے تو چوڑیاں ہم نے بھی نہیں پہن رکھیں بیرسٹر صاحب! خیر کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟" اس کا انداز بے حد اہانت آمیز اور تنفر سے بھرپور تھا۔

"بہت اچھی طرح آگاہ ہوں تمہاری گھٹیا بہادری کے مظاہروں سے شیر جیسی طاقت کے مظاہروں پر انسان مکمل طور پر انسان تو نہیں بن جاتا؟" جواب میں عثمان کا لہجہ بے حد سلگا ہوا تھا۔ زوار شاہ اب کی بار کچھ کہے بغیر محض تاؤ دلانے والے انداز میں مسکراتا رہا تھا۔ "ایک معاہدہ کرنا چاہتا ہوں، جس میں سراسر تمہارا فائدہ ہے نقصان نہیں الوینہ تمہاری رفاقت پہ آمادہ نہیں لہٰذا اس بندھن کو ویسے ہی ختم کردو جیسے تم نے اسے باندھا تھا۔ جواب میں میں اپنا جائیداد میں مطالبے کا کیس واپس لے لوں گا۔" اس کا انداز جس قدر احسان جتانے والا تھا۔ زوار شاہ اس قدر آگ بگولہ ہوا تھا۔

"کیا تم ہوئے ہو عثمان شاہ! میں نہیں کہ تمہاری اس قسم کی گھٹیا شرائط کو مان لوں۔ تم کورٹ کے ذریعے مجھ پہ کیس کرو گے؟ مجھے پروا نہیں ہے۔ یہ شوق بھی پورا کرلو۔ تمہاری بہن مجھے پسند کرتی ہے یا نہیں اس بات پہ دھیان دیے بغیر میں اب ہر صورت اسے حاصل کروں گا کہ یہ زوار شاہ کی ضد ہے۔" جوس کا گلاس طیش کے عالم میں ہاتھ مار کر گراتا ہوا وہ غراتے ہوئے بولا۔ عثمان شاہ نے جلتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا اور لب بھینچ کر بولا۔

"کیا کرو گے تم؟ ہاں مت بھولو کہ یہ تمہارا گاؤں نہیں ہے جہاں تمہاری جائز ناجائز مانی جائے۔" اس نے جیسے زوار شاہ کی اوقات واضح کی تھی۔

"اس کے باوجود میں ایسا کرکے دکھاؤں گا تمہیں، صرف ایک فون پہ تمہارا دل کا مریض باپ اس دنیا سے رخصت ہوسکتا ہے یہ انکشاف سہہ نہیں پائے گا بے چارہ ہے نا! بتاؤ پولیس کے ذریعے رخصت کرانے آؤں تمہاری بہن کو یا تم لوگ اپنی مکمل رضامندی سے اسے میرے حوالے کروگے؟" اس کا لہجہ کمینگی کی حد تک گرا ہوا تھا۔ اب کے عثمان شاہ کے چہرے سے واضح بے بسی جھلکی تھی۔

"تم......!" اس نے دانت پیسے۔ "ایسا نہیں کروگے۔"

"تم مجھے روک بھی نہیں سکتے خیر جو بھی ارادہ ہو مجھے بتا دینا...... چلتا ہوں۔" نہایت درشتی سے کہا اور اٹھ کر مضبوط قدم اٹھاتا ہوا چلا گیا۔ عثمان شاہ بے بسی سے دیکھتا رہ گیا۔

❁......❁......❁

الوینہ نے خوف سے تھراتی ہوئی نگاہ سے ان کے چہروں پہ موجود گھبراہٹ اور تفکر کو دیکھا۔ عثمان شاہ کے پاس اب کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ حنان بھائی، مما جان اور زینب کو سب کچھ بتا دیتا۔ وہ بہت الجھ گیا تھا اسے اس الجھن میں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اپنے دھیان میں چائے کی ٹرے اندر لاتے ہوئے الوینہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سب سن لیا تھا جو وہ لوگ اسے بتانا نہیں چاہتے تھے۔

"بھائی! آپ زوار شاہ سے کہیں کہ میں اس کے ساتھ باخوشی جانے پہ آمادہ ہوں۔" بالآخر اس کا یہ سکتہ ٹوٹا اور جیسے ایک بھونچال سا آ گیا۔

"کیا......!" وہ سب سکتے میں آ گئے تھے۔

"میں پاپا جان کو کھونے کا تصور بھی نہیں کرسکتی مما جان۔ وہ آپ کی سوچ سے بڑھ کر خود غرض اور بے حس انسان ہے۔" مما کے بازو سے سر لگا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"اس بے حس اور سفاک انسان کے حوالے ہم اپنی بہن کو کیسے کرسکتے ہیں۔ اس میں ہماری کتنی اہانت ہوگی اس کا تمہیں اندازہ نہیں ہے شاید؟" عثمان کو غصہ آ گیا۔

"جو بھی ہو بھائی! میں کہہ چکی ہوں نا کہ مجھ میں پاپا کو ذرا سی بھی تکلیف دینے کا حوصلہ نہیں ہے۔" اس نے عثمان کو دیکھ کر جذباتیت سے کہا۔

"فضول باتیں مت کرو۔ جب تم رخصت ہوکر اس کے ساتھ جاؤ گی تب پاپا جان تو جیسے بہت خوش ہوں گے تمہاری اس حرکت سے بے وقوف لڑکی! تم سمجھتی کیوں نہیں؟ وہ پاپا جان کے دشمن اول کا بیٹا ہے۔" عثمان کا جی سر پیٹ لینے کو چاہا۔ اس کے اس فیصلے پر جوابا وہ دھندلی آنکھوں سے اسے دیکھ کر جبراً مسکرائی۔

"بیا آپ مجھ پہ چھوڑ دیں بھائی! اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ پاپا جان کو کچھ نہیں ہوگا۔ میں انہیں منالوں گی۔" لب بے دردی سے کچلتی ہوئی وہ اٹھ کر چلی گئی۔ وہ سب ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔ الوینہ سیدھی وہاب شاہ کے کمرے میں آ گئی۔ دروازے پر دستک دے کر اجازت ملنے پر اس نے اندر جھانکا۔ اس ایک پل کا فیصلہ اسے بہت مضبوط بنا گیا تھا۔ اتنا مضبوط کہ اسے خود بھی حیرت ہوئی تھی۔ اس شخص سے نفرت اپنی جگہ مگر وہ اتنی خود غرض نہیں تھی کہ محض اپنی خوشی کی خاطر اپنے باپ کی جان سے کھیل جاتی۔ وہ باپ جسے اس نے صدیوں کی مسافتیں طے کرکے پایا تھا۔ وہ عظیم انسان جس نے اتنی اعلیٰ ظرفی اور محبت سے قبولا تھا کہ وہ خود پہ نازاں ہوگئی تھی۔ پھر وہ اس فیملی کا سربراہ تھا جس کے ایک ایک نفوس نے اسے مان محبت اور اپنائیت کا احساس بخشا تھا۔ حالانکہ ان کی تو وہ کچھ بھی نہیں تھی اولاد تو وہ صرف وہاب شاہ کی تھی ان سے تو سوتیلا رشتہ تھا جسے اتنی خوشی سے بنایا گیا تھا کہ وہ ان کی مقروض ہوچکی تھی اس فیملی کے سربراہ کی خاطر وہ اتنی سی قربانی تو دے سکتی تھی۔

"ارے ہماری بیٹی آئی ہے آؤ بیٹھو۔" وہاب شاہ اسے دیکھ کر حسب عادت کھل اٹھے وہ قدرے جھجکتی ہوئی جاکر ان کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"پاپا جان...... اس روز آپ چند رشتوں کی بات کررہے تھے؟" چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے اچانک موضوع پلٹا تو وہاب شاہ قدرے چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"ہاں مگر بیٹے آپ نے انکار کردیا تھا۔"

"پاپا جان! میں نے انکار جس وجہ سے کیا تھا وہ نہیں بتائی تھی آپ کو دراصل میں......" وہ یکایک اٹکی تھی، فطری شرم جھجک اور لحاظ کا احساس اس پر غالب آیا تو اس سے کچھ بولنا دشوار ہوا۔ "سوری پاپا جان! آپ کو شاید اچھا نہ لگے......" اس نے بھرپور خجالت اور شرمندگی سے ان کی منتظر نگاہوں میں پل بھر کو جھانکا۔ وہاب شاہ مسکرائے۔

"ہمیں اپنی پیاری بیٹی کی کوئی بات بری نہیں لگ سکتی، اطمینان رکھو۔" انہوں نے اس کا سر تھپک کر حوصلہ بڑھایا۔ تب وہ کچھ دیر لب کچلتی ہوئی آنسو اندر اتارنے لگی۔

"پاپا جان! جاب ملنے کے بعد میرا پہلا تقرر ایک گاؤں میں ہوا تھا۔ وہاں کے جاگیردار گھرانے کا ایک لڑکا تھا، ہینڈسم ڈیشنگ ہونے کے ساتھ اس کی سب سے اچھی بات جو تھی وہ اس کا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا اور شائستگی، دیا وقار شخصیت تھی۔ پاپا......" وہ اٹک اٹک کر بات کرتی ایک بار پھر رک گئی۔ زندگی کا یہ موڑ سب سے اذیت ناک تھا۔ زوار شاہ جیسے قابل نفرت اور گھٹیا انسان کی جھوٹی تعریف کرنے کے متعلق اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا مگر آج وقت اس مقام پر لا کر کھڑا کرچکا تھا اس کا دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہنے لگا اپنی اس بے بسی پر۔

"اور یہ کہ وہ ہماری بیٹی کو اچھا لگا۔ تو بیٹے جو آپ کو اچھا لگا وہ واقعی اس قابل بھی ہوگا! کوئی بات نہیں، ہم اس لڑکے سے مل کر بات آگے بڑھالیں گے۔ اب خوش؟" اس کی جھجک اور حیا کے پیش نظر انہوں نے ساری بات سمجھتے ہوئے جیسے اس کی مشکل آسان کردی۔ الوینہ کے حلق میں آنسو گرنے لگے۔

"پاپا جان!" اس نے دھندلی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

http://primenovels.blogspot.com/

"جی پاپا کی جان......" انہوں نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کی پیشانی چومی۔ "بیٹا آپ اتنی پریشان کیوں ہو آپ کی مما اور ہم نے پورے خاندان کی ٹکر لے کر لو میرج کی تھی۔" وہ اس پر جھک کر اپنے مزاج کے خلاف شوخ ہوئے تھے۔ مقصد الوینہ کو کسی بھی طرح سے پُرسکون کرنا تھا۔ اس کی اتنی سی تکلیف بھی گویا ان کے لیے آزمائش تھی۔

"پاپا جان! وہ دراصل...... تب مجھے آپ کے متعلق پتا ہی نہیں تھا تو جب اس نے مجھے پرپوز کیا خالہ بی نے ہمارا نکاح کروا دیا تھا۔" اس نے ڈرتے ڈرتے انہیں دیکھا۔ وہاب شاہ ایک پل کو چپ سے ہو گئے تھے۔ ان کا رنگ بھی متغیر ہوا تھا مگر جلد ہی انہوں نے خود کو سنبھال لیا اور بے ساختہ مسکرائے۔

"اوہ تو بیٹا! آپ کو پہلے بتانا چاہیے تھا نا! ہم نے تو ابھی تک اپنے داماد کو نہیں دیکھا۔ کیا نام ہے اس کا......" وہ بھرپور شگفتگی سے بولے تو الوینہ کا دل جیسے اس مرحلے پر دھڑکنا بھول گیا۔

"زوار شاہ! اسحاق شاہ کے بیٹے ہیں۔" اس نے خوف سے سمٹتے دل سے اللہ کا نام لے کر سب سے دشوار مرحلہ بھی جیسے سر کر لیا تھا۔

"زوار شاہ! اسحاق شاہ کا بیٹا؟" وہاب شاہ سناٹے میں رہ گئے۔ الوینہ جیسے سانس لینا بھی بھول گئی۔ کتنے ہی پل بنا آہٹ چپ چاپ گزر گئے۔ تب ان کے پتھر وجود میں تحریک پیدا ہوئی تھی۔

"الوینہ بیٹے! ابھی آپ جاؤ۔ ہمیں تنہا چھوڑ دو۔" آنکھیں سختی سے بھینچتے ہوئے انہوں نے اتنی آہستگی سے کہا کہ الوینہ بمشکل سن سکی تھی۔

❁......❁......❁

"وہ کریں فون ہمیں، خدا کی قدرت ہے، کہیں ہم حیرت کی زیادتی سے مر نہ جائیں۔" الوینہ نے خود اس سے رابطہ کیا اور اب اس کی شوخ گنگناہٹ سن کر کلس رہی تھی۔ "حکم! ارشاد۔" وہ اس کے پکارنے پر بھرپور مستی سے بولا۔

"پاپا جان تم سے ملنا چاہتے ہیں آج یا کل۔ کسی بھی وقت آ کر ان سے ایک ملاقات کر لو۔" خشک روکھا لہجہ ہر جذبے سے عاری تھا۔

"کیوں عین جوانی میں بیوہ ہونا چاہتی ہو ڈیئر! تمہارا کیا خیال ہے تمہارے پاپا جان مجھے زندہ سلامت رہنے دیں گے۔" وہ جیسے بدکا۔

"میں تمہارے ساتھ جانے پر آمادہ ہوں، یہ تسلی کافی ہونا چاہیے تمہارے لیے اور ہاں جو پاپا کہیں مان لینا خود سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"ہائیں......! ایسی خوف ناک شرطیں نہ منواؤ زندگی! تمہارے پاپا جان اگر طلاق نامے پہ سائن کرنے کو کہیں تو کیا وہ بھی کر دوں؟" اس کے گمبھیر لہجے کی شوخیوں سے وہ جیسے حلق تک تلخ ہو گئی تھی۔ ایک بار پھر اسے خود پہ ضبط کرنا محال ہوا تھا۔

"دیکھو فضول باتوں میں اپنا اور میرا وقت برباد نہ کرو جیسا میں کہہ رہی ہوں ویسا ہی کرو۔"

"آج تک تمہارے کہے پر عمل کر کے کون سا فائدہ ہوا ہے مگر خیر اگر تم کہتی ہو تو یہ بھی کر گزروں گا۔ چاہے سر مقتل ہمیں جان کا نذرانہ پیش کرنا پڑے۔" سرد آہ بھر کے مصنوعی سے انداز میں بات کرتا وہ اسے تپا گیا اور مزید کوئی بات کہے بغیر اس نے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔ اس کا دل اندر ہی اندر سسک اٹھا۔

❁......❁......❁

"الوینہ کے ساتھ نکاح تم نے اپنی مکمل ذہنی و قلبی رضا مندی سے کیا تھا اس بات کے علم میں ہوتے ہوئے بھی کہ وہ ایک عام لڑکی تھی میرا مطلب ہے تمہاری فیملی کے لحاظ سے اس کا خاندان تمہاری نظر میں انجان تھا۔" زوار شاہ اس وقت وہاب شاہ کے سامنے بیٹھا تھا۔ بلیک سوٹ میں اپنی غضب کی مردانہ وجاہتوں سمیت وہ اتنا شاندار لگ رہا تھا کہ ایک لمحے کے لیے تو انہیں الوینہ کے لیے وہ ہر لحاظ سے مکمل لگا اگر دونوں کو ساتھ کھڑا کر دیا جاتا تو یقیناً چاند سورج کی جوڑی کہلاتی مگر یہ محض ان کی سوچ تھی۔ زوار شاہ کی تربیت اس کا بگڑا ہوا طرز عمل اور متمردانہ اکھڑ انداز نہ تو ان کی فیملی سے میچ کرتے تھے نہ الوینہ کے مزاج کے مطابق تھا۔ وہ یقیناً کسی غلط فہمی اور بے خبری میں کوئی غلط فیصلہ کر گزرتے "صرف الوینہ کی خوشی کو مدنظر رکھتے ہوئے" اگر عثمان شاہ رات ہی ساری بات نہ بتا چکا ہوتا۔ الوینہ کے خوف کو سامنے رکھتے ہوئے جب اس نے بتایا تھا کہ وہ یہ قربانی صرف ان کی خاطر دیے جا رہی ہے تو انہیں الوینہ پر بہ یک وقت غصہ بھی آیا اور پیار بھی۔ زوار شاہ کے لبوں پر اس سوال کے ساتھ ہی ناقابل فہم سی مسکراہٹ بکھری تھی۔

"بے شک چاچا سائیں! آپ جانتے تو ہیں زوار شاہ ایسا بندہ نہیں کہ اس سے کوئی زبردستی کر سکے۔ الوینہ مجھے اچھی لگی تھی پھر اس کی کوئی حیثیت تھی یا نہیں، بس جو فیصلہ میں کر چکا تھا اس سے ایک انچ بھی سرکنا گویا میری توہین تھی۔" اس کا مخصوص انداز تھا اور اسی انداز کو دیکھتے ہوئے عثمان شاہ نے جز بز ہو کر اپنی جگہ پر پہلو بدلا تھا۔

"تو گویا تم نے الوینہ کو اپنی انا کا مسئلہ بنا کر زبردستی حاصل کیا اس لیے کہ اس کی بیک کمزور تھی۔" عثمان شاہ کا لہجہ انتہائی تند اور چہرے کے تاثرات کبیدہ خاطر۔ زوار شاہ نے نگاہ کا زاویہ بدل کر بہت اطمینان بھرے انداز میں اسے دیکھا۔

"زبردستی کیوں؟ جب تک الوینہ کی رضامندی نہیں تھی، تب تک نکاح نہیں ہو سکتا تھا جہاں تک بیک کمزور ہونے کی بات ہے تو اب تو اس کی پشت پناہی کو اس کے بھائی باپ اور ماں ہیں پھر بھی میں کسی سے نہیں دبا ہوں۔" اس کے برہم انداز کو دیکھتے ہوئے رسانیت سے بات کرتا وہ عثمان شاہ کو بھی بھڑکا کے رکھ گیا تھا۔

"ہاں ہم جانتے ہیں کہ تم کتنے بدمعاش ہو۔"

"عثمان بیٹے! آرام سے بات کرو۔" وہاب شاہ نے عثمان کو ٹوکتے ہوئے نرمی سے کہا مگر وہ تو جیسے اس وقت کچھ سننے پہ آمادہ نہیں تھا۔ زوار شاہ پہ آنکھیں نکال کر غراتا ہوا بولا۔

"مگر تمہیں جان لینا چاہیے کہ ہم تم جیسے بدمعاش اور بدکردار شخص سے اپنی بہن کی شادی نہیں کر سکتے۔ تمہیں اسے طلاق دینا ہوگی بس۔" زوار شاہ آنکھوں اور چہرے پر سرخی لیے خاموش بیٹھا تھا۔ عثمان شاہ کی آخری بات پر جیسے بھڑک کر مشتعل سے انداز میں ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا۔

"زوار...... زوار شاہ۔" وہاب شاہ پکارتے رہ گئے وہ نے بغیر تن فن کرتا راہ میں آئی ہر شے کو ٹھوکریں مارتا نکلتا چلا گیا۔ اندرونی حصے سے پورچ کی طرف جاتے ہوئے اس کی سلگتی ہوئی نگاہ نیب کے ساتھ لان میں عبداللہ کو گود میں لیے کسی بات پر ہنستی الوینہ پر پڑی تو کچھ دیر یونہی شعلہ بار نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ الوینہ کی نگاہ اسے اپنی طرف بڑھتے پا کر جیسے پتھرا سی گئی تھی۔

"گھر بلوا کر جو عزت افزائی تم میری کروا چکی ہو اس کا جو نتیجہ بھگتیں گے سالا صاحب وہ وقت آنے پہ ہی پتا چلے گا۔" وحشت بھرے انداز میں اس کی کلائی پکڑ کر اپنے مقابل کرتا ہوا وہ حلق کے بل غرایا۔ الوینہ کی دھونکنی کی مانند چلتی سانسیں اس کے مجنونانہ انداز پہ جیسے ٹھہر سی گئیں۔ اسے ایک پل کو زوار شاہ سے خوف محسوس ہوا تھا۔ اس کے جارحانہ انداز میں پلٹنے پہ وہ بازوؤں سے رو رو کر مچلتے عبداللہ کو سنبھالتے اور نیب سے خفت بھرے انداز میں نظریں چراتی ہوئی پلٹ کر تیزی سے اندر چلی گئی۔ وہ سمجھ نہیں پائی کہ زوار شاہ اتنے غصے میں کیوں تھا۔

❁......❁......❁

"آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا بھائی! اگر خدانخواستہ پاپا جان کو کچھ ہو جاتا تو؟"

"اتنی خوف زدہ کیوں تھیں تم الوینہ! پاپا اتنے کمزور اعصاب کے مالک تو نہیں۔ بات کرنے کا بھی کچھ طریقہ ہوتا ہے جو تمہیں نہیں آتا۔ خیر اب بات تو ختم ہو گئی۔" الوینہ کو بھابی سے ساری بات پتا چلی تھی۔ کتنی دیر تک تو سب کچھ اتنی سہولت سے ہو جانے کا یقین نہیں آیا۔ رات کو عثمان آیا تب وہ ممنونیت آمیز جذبات سے اس کے سامنے اپنا خدشہ ظاہر کر گئی تھی مگر اب جس بے نیازی سے عثمان نے کہہ دیا تھا کہ بات ختم ہو گئی وہ اس اطمینان اور بے نیازی کا مظاہرہ نہ کر پائی۔ زوار شاہ کی طبیعت سے وہ بہت اچھی طرح آگاہ ہو چکی تھی پھر جاتے ہوئے وہ جس انداز میں دھمکی آمیز گفتگو کر گیا تھا، وہ انداز الوینہ کو بہت خائف کر چکا تھا۔ جانے اب وہ کیا کرنے والا تھا۔ وہ دل میں فکر مند ضرور ہوئی مگر کسی کو بتا کر پریشانی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس روز وہ ساریہ بھابی کے ساتھ شاپنگ کے ارادے سے نکلی تھی۔ واپسی پہ ساریہ بھابی کو بھوک محسوس ہوئی تو الوینہ کے منع کرنے کے باوجود ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی رکوا دی۔

"بس چند منٹ لگیں گے۔" اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے انہوں نے گویا تسلی دی تھی۔ الوینہ کچھ کہے بغیر محض سر ہلا کے ان کے ساتھ چل دی۔ یہیں وہ غیر متوقع حادثہ رونما ہوا تھا۔ دن دہاڑے گو کہ اب ایسی وارداتیں عام تھیں اس کے باوجود زوار شاہ کے گاڑی سے اتر کر اس کے بازو کو اپنی فولادی گرفت میں جکڑ کر ایک ہی جھٹکے سے اندر کھینچ لینے پر وہ اتنی شاکڈ ہوئی تھی کہ احتجاج میں ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال پائی۔ ساریہ بھابی کی حالت کیا ہوئی اس سے بے نیاز وہ تو زوار شاہ کے چہرے کے خوف ناک تاثرات دیکھ کر ہی لمحوں میں سرد پڑ گئی تھی۔ دبک کر سمٹتے ہوئے وہ دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد کرتے اور خوف زدہ آنکھوں سے اسے دیکھتی ہوئی کسی معجزے کی دعائیں کرنے لگی۔ لب بھینچے چہرے پر قہر

http://primenovels.blogspot.com/
http://primenovels.blogspot.com/

وغضب لیے وہ بہت تیز ڈرائیو کررہا تھا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" اندر کی وحشت و ہراسیگی سے گھبرا کر وہ اسے مخاطب کر بیٹھی۔

"بات مت کرو مجھ سے اب میں جو کچھ بھی تمہارے ساتھ کروں وہ بہت کم ہوگا۔" اس کو نفرت سے گھور کر دیکھتا وہ آگ بگولا ہوگیا۔ انداز اتنا سفاکی لیے ہوئے تھا کہ الوینہ کا دل دھڑکنا بھول گیا۔

"کک..... کیا مطلب؟" وہ ساکت سی ہوگئی تھی۔ زوار شاہ نے جواب دینے کی بجائے جن نظروں سے اسے دیکھا تھا وہ اپنی جگہ دہل کر رہ گئی۔ پورے وجود میں جیسے سوئیاں سی دوڑ گئی تھیں۔ اس کے بعد اس نے کچھ پوچھنے کی غلطی نہیں کی۔ زوار شاہ اسے لے کر اپنے شہر والے گھر میں آیا تھا۔ گاڑی پورچ میں روک کر سرعت سے اترتے ہوئے اس نے الوینہ کی طرف کا دروازہ کھولا اور اگلے ہی پل بہت جارحانہ انداز میں اسے نیچے گھسیٹ لیا۔ وہ تقریباً گھسٹتی ہوئی اس کے ساتھ آئی تو توہین وتذلیل کے اس مظاہرے پہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے دھندلا گئیں۔

"میرل..... میرل کہاں مر گئے۔ ادھر مرو۔" بیڈ روم میں گھستے ہی اسے بیڈ پر پھینکنے کے بعد وہ دروازے کی طرف منہ کرکے چیخا تھا۔ الوینہ بے بسی اور متوحش نظروں سے یہ قہر وغضب دیکھ رہی تھی۔

"یہ تمہاری چھوٹی مالکن ہیں۔ بہت عزت واحترام سے انہیں کھانا پیش کرو۔ اس کے علاوہ وہ جو چاہیں مہیا کرنا ماسوائے اس کمرے سے نکلنے کے۔ اب جاؤ۔" میرل ہانپتا کانپتا جیسے ہی آیا اس نے تنفر زدہ نگاہ الوینہ پر ڈال کر بہت تند لہجے میں ملازم کو ہدایت دی تھی۔ اس کے جانے کے بعد قدم بڑھاتا ہوا عین اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ الوینہ کو اپنے پورے وجود میں سرد لہریں دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔

"کھانا کھا کے فریش ہوجاؤ۔ اس کے بعد باضابطہ ملاقات ہوگی۔" اس کی خوف سے پھیلی نگاہوں میں مسکرا کر دیکھتے ہوئے اس کا گال تھپک کر پلٹ گیا۔ الوینہ غم وغصے اور شدید خوف کے حصار میں بے حس وحرکت بیٹھی تھی، ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر زاروقطار روتی چلی گئی۔

❁.....❁.....❁

اس کا ایک ایک پل گویا پل صراط پہ بیتا تھا۔ خوف کا شدید احساس اس کی رگوں میں دوڑتے خون کو بھی منجمد کر چکا تھا۔ زوار شاہ کی اس انتہائی گھٹیا حرکت کے بعد وہ اپنی فیملی میں منہ دکھانے کے بھی قابل نہیں رہتی اور یہی سوچ اسے بری طرح سسکا رہی تھی۔ کھانا اس کے سامنے پڑا ٹھنڈا ہوچکا تھا مگر اس نے نگاہ بھر کے بھی اشتہا انگیز خوشبو بکھیرتے کھانے کی طرف نہیں دیکھا۔ اس کا دل جیسے اندر ہی اندر ٹوٹ کر پورے وجود میں بکھر رہا تھا۔ معاً دروازہ کھلنے کی آواز پہ وہ بہت زور سے چونکی تھی۔

بوجھل پلکیں اٹھا کر دیکھا دروازے پہ زوار شاہ گہری جسم نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جس لمحے کے خوف نے پل پل اس کے بدن سے روح کھینچی تھی وہی لمحہ سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ وہ ہراساں سی بیٹھی رہ گئی۔ زوار شاہ نے نگاہ کا زاویہ بدل کر کھانے کی ٹرے کی طرف دیکھا پھر ٹھنڈا سانس بھر کے اس کے تنے ہوئے چہرے پر گہری نگاہ ڈالتا ہوا بولا۔

"ہوں تو گویا ابھی ناراضگی قائم ہے؟" وہ بہت دھیمے قدموں سے اس کی جانب بڑھا۔

"وہیں رک جاؤ زوار شاہ! خبردار جو تم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا۔ میں اپنی جان دے دوں گی مگر تمہیں تمہارے مذموم ارادوں میں ہرگز کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔" اسے قدم بڑھاتے دیکھ کر وہ درشتی وتلخی سے بولی۔ اس کا لہجہ نفرت وتضحیک سے بھرپور تھا۔

"تم مجھے اتنا غلط سمجھتی ہو؟" زوار شاہ کو اس کا یہ انداز اور لہجہ برا لگا تھا، بھی ہونٹ بھینچے ہوئے ناگواری سے اسے دیکھنے لگا۔

"ہونہہ" وہ تضحیک آمیز انداز میں اسے دیکھتے ہوئے نفرت سے سر جھٹک کر سرد لہجے میں پھنکاری۔ "اس سے بھی زیادہ برا سمجھتی ہوں۔ تمہارے نزدیک عورت کسی ٹشو پیپر سے بڑھ کر نہیں لیکن یاد رکھو میں الوینہ ہوں الوینہ۔ زبردستی تو تم مجھے حاصل نہیں کرسکتے۔" طیش کے عالم میں مٹھیاں بھینچے کھڑا زوار شاہ کسی طرح بھی خود پہ قابو نہ رکھ پایا اس کا ہاتھ اٹھا اور زوار کا تھپڑ الوینہ کے چہرے پہ نشان ثبت کر گیا۔ ایک بار پھر اس نے اس کے قہر کو آواز دی تھی ایک بار پھر اس نے اس کے کردار پہ حملہ کیا تھا۔ وہ اس کاری ضرب پہ بری طرح سے بلبلا اٹھا۔ الوینہ اس کا تھپڑ لگنے سے لڑکھڑا کر گری تھی۔ اس غیر متوقع حملے کے لیے وہ قطعی تیار نہیں تھی۔ گال پر ہاتھ رکھے وہ ایک دم گم صم سی ہوگئی تھی۔ اس کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں میں ہر منظر اتنی تیزی سے دھندلایا کہ وہ زوار شاہ کے چہرے پہ بکھرے خوف ناک حد تک غضب ناک تیوروں کو بھی نہ دیکھ سکی۔

"میری محبت اور نرمی کو بہت غلط معنی پہنائے تم نے۔ چلی جاؤ الوینہ یہاں سے ورنہ شاید میں تمہیں شوٹ کردوں۔" رخ پھیر کر گہرے گہرے سانس بھرتے ہوئے وہ دبنگ لہجے میں بولا تھا تو الوینہ جو ایک غیر یقینی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی دھڑکنوں کی اتھل پتھل کو سنبھالتی تیزی سے اٹھ کر دوپٹا اوڑھ کر کمرے سے نکل گئی۔ زوار شاہ نے خاصی دیر بعد پلٹ کر دیکھا اور اسے موجود نہ پاکر وہیں بےدم سے انداز میں گھٹنوں کے بل گرتے ہوئے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اس لڑکی کی خاطر اس نے اپنے بابا کو چھوڑا تھا۔ جاگیریں، سہولتوں سے بھری زندگی، عیش وآرام کو ٹھوکر مار دی تھی کہ ایک یہ لڑکی ہی اس کی ہر خواہش پر حاوی ہوچکی تھی۔ حسین خال وخد سے سجا دلکش ودلفریب چہرہ اسے پوری دنیا میں سب سے حسین لگتا تھا۔ اس لڑکی کی جھیل سی گہری آنکھوں نے اس کا چین وقرار لوٹ لیا تھا۔ بابا نے اسے سیاسی ہتھیار بنا کر حویلی سے نکل جانے کا کہا تھا کہ یا وہ اس دو ٹکے کی لڑکی کو اپنا لے یا پھر اپنی اور ان کی جاگیروں کو۔ وہ جو محبت یا انتقام کو غالب لے آیا تھا ایک بار پھر اسے دیکھ کر خود کو بے بس محسوس کرنے لگا۔ الوینہ نے فون پر چاچا سائیں کے راضی ہونے کی خبر سنائی تو اسے لگا تھا جیسے دنیا میں ہفت اقلیم کی دولت اسے مل گئی ہو۔ بابا کی جاگیروں کو بہت اطمینان بھرے انداز میں چھوڑ کر وہ الوینہ کو پالینے کی خواہش لیے شہر آگیا تھا۔ مگر عثمان کی مخالفت کی بدولت وہ غصے میں بپھرا ہوا لوٹ گیا اور موقع ملتے ہی اس نے اپنی متاع جاں کو اس دنیا سے چھین لیا تھا مگر دیکھا جاتا تو یہ بار نصیب کی بار بھی جیسے اس نے جنون کی حدوں تک چاہا تھا جب وہی اس سے نفرت کرتی تھی تو پھر واقعی اگر وہ زور زبردستی پر اتر بھی آتا تو کیا پالیتا۔ اس بار جو شکستگی اور سناٹا اس کی روح میں اترا تھا اس نے اس کے دل کو مسل ڈالا تھا۔

❁.....❁.....❁

"تم ٹھیک تو ہو الوینہ! زوار شاہ نے تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا۔" وہ گھر لوٹی تو جیسے سب کے سانس بحال ہوئے۔ وہاب شاہ کو تو یوں بھی کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ عثمان شاہ سے نظریں چراتی ہوئی وہ اپنے کمرے میں آئی تو مما جان اور بھابی اس کے پیچھے ہی چلی آئی تھیں۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" ان کی بولتی نظروں کو سمجھ گئی تھی تبھی خفت سے سرخ ہوکر دہکتے چہرے کو جھکاتے ہوئے بہت آہستگی سے بس یہی کہہ پائی۔ پھر بھابی اور مما جان کے جانے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تک گھٹ گھٹ کر روتی رہی تھی۔

"جس قدر ذلت تمہاری وجہ سے مجھے سہنا پڑی ہے زوار شاہ! میں چاہوں بھی تو تمہارے لیے دل میں کوئی گنجائش پیدا نہیں کرسکتی۔" اس کی پور پور نفرت سے سلگ رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

زوار شاہ کے شدید قسم کے ایکسیڈنٹ کی خبر سن کر اسحاق شاہ وہیں دل تھام کر رہ گئے تھے۔ وہ شہر سے گاؤں آرہا تھا تو یقیناً اپنا فیصلہ بدل کر ان کا بیٹا انہیں چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا یہ یقین تو انہیں جبھی تو بہت زعم سے یہ جوا کھیل لیا تھا مگر اب میرل انہیں بتا چکا تھا کہ الوینہ اسے چھوڑ کر چلی گئی ہے تب انہوں نے ایک عجیب سی خوشی اپنے اندر اٹھتی محسوس کی تھی۔ اب انہیں لگا تھا ان کا بیٹا جیسے تنگ آکر اپنی ہی زندگی سے کھیل گیا تھا۔ بدحواسی کے عالم میں وہ اندھا دھند بھاگتے ہوئے گیراج میں آئے اور چیخ کر ڈرائیور کو شہر چلنے کا کہا تھا۔

"بابا سائیں! میری پوزیشن کو سمجھیں پلیز" الوینہ سے مجھے محبت نہیں عشق ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ مجھے لگتا ہے وہ میری رگوں میں دوڑتے خون میں شامل ہوچکی ہے۔ اس سے جدائی میری موت ہے۔" سیٹ کی پشت سے سر ٹکیے وہ گڑگڑا کر خدا سے زوار کی سلامتی اور عمر کی بھیک مانگ رہے تھے جب زوار شاہ کی بے بسی کی منتظر بھی آواز کی بازگشت انہیں بے چین کرگئی۔

"تو پھر ٹھیک ہے مجھے چھوڑ دو۔ جاؤ چلے جاؤ اس گندے خون کے پاس جب وہ تمہیں ٹھوکر مارے گی تب میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔" وہ جواباً پھنکارے تھے۔

"ٹھیک ہے اول تو ایسا ہوگا نہیں بابا سائیں! اور اگر ہوا بھی تو میں اپنی ناکامی کا رونا آپ کے سامنے نہیں روؤں گا۔" اس نے جیسے لمحوں میں فیصلہ سنایا تو اسحاق شاہ سناٹے میں آکر اسے دیکھنے لگے تھے۔

"جاؤ! دفع ہوجاؤ زوار۔ ایک حقیر سی لڑکی کی خاطر تم اپنے بابا کو چھوڑ رہے ہو جب یہ تمام ٹھاٹ باٹ چھنیں گے تو دیکھنا وہ عشق کیسے ناک کے رستے دھواں بن کر اڑتا ہے۔" انہوں نے غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ "گاڑی تیز

http://primenovels.blogspot.com/

چلاؤ۔" انہوں نے ان سوچوں کی وحشت انگیز بازگشت سے بچنے کی خاطر چیخ کر کہا۔ فراٹے بھرتی ہوئی گاڑی کچھ اور رفتار پکڑ گئی مگر ان کی بے چینی کو قرار نہ آسکا۔

❁......❁......❁

اندر کی وحشت سے گھبرا کر اس نے ایک بار پھر سے حنان شاہ کے ساتھ اسپتال جانا شروع کردیا تھا۔ راؤنڈ لینے کے بعد وہ حنان بھائی کے کمرے میں آئی تو انہیں غائب پا کر گہرا سانس بھرتے ہوئے کرسی پر بیٹھ کر اخبار دیکھنے لگی تھی جب بدحواس سا ایک نرس تیزی سے اندر آیا تھا۔

"ڈاکٹر صاحبا ایمرجنسی کا کیس آیا ہے۔ مریض کی حالت بہت تشویش ناک ہے۔ بہت شدید ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس وقت اسپتال سے باہر ہیں۔ پلیز آپ انہیں دیکھ لیں۔"

"اوکے۔" وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ میل نرس کے ساتھ تیز تیز قدموں سے وہ جیسے ہی آپریشن تھیٹر میں آئی تو خون میں لت پت زوار شاہ کے چہرے پہ پہلی نگاہ ڈالتے ہی اس کا دل پوری قوت سے دھڑکا اور پورے وجود میں برقی لہر دوڑ گئی۔ وہ ایک سکتے کے عالم میں اس کے لمبے چوڑے سراپا کو اسٹریچر سے بیڈ پہ منتقل ہوتے ہوئے دیکھتی رہی۔

"ڈاکٹر الوینا پلیز جلدی کریں۔ مریض کا خون بہت تیزی سے ضائع ہورہا ہے۔" ڈاکٹر شہلا ہاتھوں پہ دستانے چڑھاتے ہوئے بولیں خوف سے آنکھیں پھاڑے یک ٹک اسے دیکھتے پا کر قدرے حیرانی سے بولی تھیں۔ الوینا کی متوحش نظریں زوار شاہ سے ہٹ کر ڈاکٹر شہلا کی جانب اٹھی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں اتنا ہراس تھا کہ ایک لمحے کو ڈاکٹر شہلا بھی حیران رہ گئی۔

"الوینا! تم ٹھیک تو ہو؟" وہ قدرے متفکر سی ہوئی تھی۔ الوینہ منہ پر ہاتھ رکھے سسکیوں کا گلا گھونٹتی وہیں سے پلٹ کر بھاگ نکلی تھی۔ حنان شاہ کے آفس میں بیٹھی وہ کب تک یونہی گھٹ گھٹ کر روتی رہی تھی۔

"بھائی پلیز! بھائی زوار کے لیے کچھ کریں۔ اسے مرنا نہیں چاہیے بھائی! ورنہ میں بھی زندہ نہیں رہ پاؤں گی۔" حنان کو اندر آتے دیکھ کر بھاگ کر اس کے سینے پہ سر رکھ کر وہ اس وحشت سے روتی تھی کہ حنان شاہ اپنی جگہ سے حرکت تک نہ کرسکے۔ انہیں ڈاکٹر شہلا نے ایمرجنسی کال کرکے بلایا تھا۔

زوار شاہ کو اس زخمی حالت میں دیکھ کر انہیں بھی دکھ ہوا تھا مگر الوینہ کی یہ دیوانگی اور خود فراموشی کی یہ کیفیت تو کسی اور ہی جذبے کی گواہ تھی۔ انہوں نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے سر پہ رکھ کر اور آہستگی سے اسے خود سے الگ کرنے کے بعد گال صاف کردیئے مگر صورت حال یہ تھی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو موتیوں کی طرح ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔

"آپریشن کامیاب رہا ہے الوینا! سو پلیز اطمینان رکھو۔ جب تک تم خود کو نہیں سنبھالو گی اس کے لیے دعا کیسے کرو گی۔" اس کا گال نرمی سے سہلاتے ہوئے وہ بردباری سے بولا تو الوینہ نے نم پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"تب بھائی......" اس کے لب کچھ کہنے کی کوشش میں محض پھڑپھڑا کر رہ گئے۔

"ہاں اسے دعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔" اس کی نگاہوں کے خوف زدہ سوال سے نظر چراتے ہوئے وہ بہت دھیمے مگر ٹھہرے ہوئے لہجے میں گویا ہوئے تھے۔ الوینہ ہچکی بھرتے ہوئے ان سے کچھ فاصلے پہ جا بیٹھی تھی۔

"بھائی! میں اسے دیکھ سکتی ہوں؟"

"جب تم اس کا آپریشن نہیں کرسکیں تو پھر ابھی اسے دیکھو بھی مت۔ اس کی حالت ابھی ٹھیک نہیں ہے۔ خدا سے دعا کرو۔" اس کا سر تھپک کر کہتے وہ ایک بار پھر باہر نکل گئے تو الوینہ وہیں جیسے گری گئی تھی۔

"اگر تمہیں کچھ ہوا نا زوار شاہ! تو میں کبھی بھی خود کو معاف نہیں کرپاؤں گی۔" آنسو ایک تواتر سے اس کے گالوں پہ بکھرنے لگے۔ وہ ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپے اس مالک کل کے حضور گڑگڑانے لگی تھی۔

❁......❁......❁

بسا اوقات صدیوں کی بنی ایک لمحے میں بگڑتی ہے تو کبھی حالات و واقعات اس انداز میں وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ برس ہا برس کی دشمنی و نفرت کسی ایک حادثے سے اپنی موت آپ مر جاتی ہے مگر شرط دلوں میں محبت کا زندہ ہونا ہے یہاں بھی دلوں میں محبت زندہ تھی۔ وقتی نفرت مٹ ضرور گئی تھی مگر ختم نہیں ہوئی تھی۔ زوار شاہ اگر اسحاق شاہ کا بیٹا تھا تو وہاب شاہ کا بھتیجا تھا اور یہ حقیقت بھی تھی کہ بھائی کی اولاد میں سب سے زیادہ بھی انہوں نے اسے ہی چاہا تھا مگر بعد میں جہاں سب کچھ چھوٹا یہ ایک رشتہ بھی آپس کی دشمنی کی بھینٹ چڑھ گیا تھا اور یہ حقیقت

بھی تھی کہ جب وہ الوینہ کا تقاضا لے کر ان کے سامنے آیا تو ان کے دل سے بہت شدت سے دعا نکلی تھی اگر وہ سدھرا ہوا انسان ہوتا تو الوینہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھماتے وہ بہت فخر محسوس کرتے اسے مایوس لوٹا کر وہ کتنے ہی دن دل برداشتہ سے رہے تھے پھر یہ سوچ کر خود کو بہلا لیا تھا کہ جب الوینہ ہی اسے نہیں چاہتی تو صرف ان کا چاہنا اتنا اہم نہیں تھا مگر حنان شاہ کے منہ سے سب کچھ سن کر وہ جیسے ڈھے سے گئے تھے۔ شیر جیسی جسامت اور غضب کی خوب صورتی رکھنے والا وہ بھرپور نوجوان منٹوں میں زندگی ہار جائے یہ تو انہوں نے کبھی نہیں چاہا تھا۔ وہ تڑپ سے گئے تھے اور کسی طرح بھی خود کو زوار شاہ کو اسپتال جا کر دیکھنے سے نہیں روک پائے تھے۔ وہیں غم سے نڈھال متفکر اور بے حال سے اسحاق شاہ کو دیکھ کر انہیں لگا تھا وہ نام نہاد نفرت اسی ایک پل میں اپنا وجود کھو بیٹھی ہے۔

"لالا......!" ان کے پاس جا کر صرف ایک لفظ ان کے لبوں سے نکلا تھا اور وہ ٹوٹے ہوئے شہتیر کی مانند ان کی بانہوں میں آسمائے تھے۔

"اسے روک لو وہاب شاہ! اسے مت جانے دو۔ وہ مجھ سے خفا تھا مجھے چھوڑ کر چلا گیا تھا اسے اس دنیا سے جانے سے روک لو۔ یہ اس کے نہیں اس کے باپ کے جانے کی عمر ہے۔ اسے منالو وہاب شاہ! میں اس کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔" ان سے لپٹ کر خزاں رسیدہ پتے کی مانند کپکپاتے وجود سمیت وہ اس وحشت بھرے انداز میں بلک کر روئے تھے کہ وہاب شاہ سے انہیں سنبھالنا دشوار ہوگیا تھا۔ ان کے اپنے اندر ٹوٹ پھوٹ جاری تھی۔ بمشکل انہیں ڈھارس دے سکے۔ چوبیس گھنٹے زندگی اور موت کی جنگ لڑنے کے بعد اس نے خدا کے حضور گڑگڑا کر مانگی گئی دعاؤں کی قبولیت کو سند ملنے پر اس نے آنکھیں کھولیں تو اسحاق شاہ یہ خبر سنتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے تھے جبکہ وہاب شاہ سجدے میں گر گئے تھے۔

❁......❁......❁

زوار شاہ کل اسپتال سے ڈسچارج ہورہا ہے اور بابا سائیں اسے یہیں لارہے ہیں۔" لائبہ کو چائے کی ٹرے سمیت آتے دیکھ کر عثمان شاہ نے بہت خاص انداز میں الوینہ کو دیکھتے ہوئے اطلاع بم پہنچائی۔ الوینہ کا رنگ جانے کس جذبے سے بے تحاشا سرخ پڑا تھا۔ زوار شاہ کے ایکسیڈنٹ کے بعد وقوع پذیر ہونے والے اہم واقعات میں ایک خاص واقعہ حویلی کے مکینوں کا "شاہ ہاؤس" میں جمع ہونا تھا کہ زوار کی وجہ سے بار بار گاؤں اور شہر کے چکر لگانا دشوار امر تھا۔ سو وہاب شاہ کے اصرار پر یاور کے علاوہ لائبہ بھی وہیں آگئی تھی۔ عثمان شاہ نے پہلی بار جھکی ہوئی پلکوں اور گوری شفاف رنگت کی اس بیلے کی کلیوں سی نازک لڑکی کو دیکھ کر دل میں گہرا اطمینان محسوس کیا تھا۔

"صد شکر کہ یہ لڑکی حسین ہے ورنہ ساری عمر نبھانا تو پڑتا مگر دل میں ایک خلش سی ضرور رہ جاتی۔" اس نے خیب کے کان میں جھک کر سرگوشی کی تھی۔ جس نے بھانڈوں کے انداز میں سب سے بیدار کی بات شیئر کی تھی۔

"بیٹھو نا! چائے پیو ہمارے ساتھ۔" الوینہ کو تیزی سے اٹھتے دیکھ کر عثمان نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے ٹوکا۔ اب تک زوار شاہ کی حالت خطرے سے باہر نہیں تھی الوینہ کی سراسیمگی اور بے تابی ہر کسی پہ اس راز کو آشکار کرچکی تھی جس کے دل میں پنپنے سے وہ خود بھی لاعلم ہی رہی تھی مگر اب اسے پتا چلا تھا کہ یہ وہ محبت تھی جو خدائی تحفہ بن کر دلوں کو ودیعت ہوئی ہے اور یہ جان کر وہ بہت مطمئن ہوچکی تھی۔

"مجھے لگ رہا ہے مما جان بلا رہی ہیں۔" وہ شپٹا کر بولی تھی۔ عثمان شاہ کی شوخ نگاہیں اس کے یونہی چھکے چھڑا لیا کرتی تھیں۔

"اچھا چلو ٹھیک ہے چلی جاؤ یوں بھی ہمیں بھی تو تمہاری ہونے والی بھابی سے کچھ انڈر اسٹینڈنگ پیدا کرنی چاہیے ورنہ ہمارے سسر صاحب اور پاپا جان نے تو فوری شادی کا مژدہ سنا کر اس کا امکان بھی ختم کردیا ہے۔" مصنوعی آہ بھر کے کہتے ہوئے وہ اب گھبرائی بوکھلائی ہوئی سی لائبہ کو دیکھنے لگا جو کانپتے ہاتھوں سے ٹرے میز پر رکھ کر الٹے قدموں بھاگی تھی۔

"یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا......" وہ ٹھنڈی آہیں لیتا ہوا چائے کے گھونٹ بھرنے لگا تو الوینہ مسکراہٹ دباتی ہوئی لائبہ کے پیچھے اندر چلی گئی۔

❁......❁......❁

تم اگر سامنے آ بھی جایا کرو لازمی ہے کہ میں تم سے پردہ کروں
اپنی شادی کے دن اب نہیں دور ہیں تم بھی تڑپا کرو میں بھی تڑپا کروں

شادی کی نہ صرف تاریخ مقرر ہوئی تھی بلکہ تیاریاں بھی تقریباً مکمل کرکے وہ لوگ کل رات ہی حویلی پہنچے تھے۔ کل مایوں کی رسم ادا ہونا تھی۔ الوینہ خیب کی فرمائش پر کافی بنا کر لائی

http://primenovels.blogspot.com/
http://primenovels.blogspot.com/

تو عثمان شاہ کو میز بجا کر گاتے دیکھ کر اس کے لبوں پہ مدھر مسکان بکھر گئی۔ لائبہ بھابی کے نرغے میں پھنسی فرار کی راہ مسدود پا کر خاصی جھینپی ہوئی نظر آرہی تھی، اصل حیرت تو اسے کچھ فاصلے پہ قدرے الگ تھلگ ٹی وی میں مگن زوار شاہ کو دیکھ کر ہوئی وہ جیسے سب کے درمیان موجود ہو کر بھی نہیں تھا۔ الوینہ نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا مگر وہ مکمل طور پر غافل تھا۔ الوینہ کا دل ایکا یک بوجھل ہوا تھا۔ اس کا یہ گم صم اور لاتعلق سا انداز اب اسے بہت محسوس ہونے لگا تھا۔ شاید یہ اس کی بدلتی ہوئی کیفیات تھیں یا کچھ اور کہ بہر حال وہ اس کی توجہ کی طالب رہنے لگی تھی مگر ستم یہ تھا کہ جب وہ یہ خواہش کر رہی تھی تو اس کی محبتوں کا تند خور دریا بہت سکوت سمیٹ لایا تھا۔

''کافی پلیز۔'' اس نے لائبہ کو اشارہ کیا کہ وہ زوار کو کافی دے دے مگر وہ بھی کچھ کم نہ تھی۔ بھرپور انداز میں نفی کرتے ہوئے اسے دھکیل گئی تھی۔

''کچھ تو ہمارے بھائی کا بھی خوشیوں پہ حق ہے نا پلیز تم خود دو۔'' وہ خاصی جھجکتی ہوئی آگے بڑھی۔

''کافی پلیز۔'' اس کی توجہ حاصل کرنے کو اسے باقاعدہ مخاطب کرنا پڑا تھا۔ ٹی وی اسکرین سے نظریں ہٹاتا ہوا وہ یوں چونکا جیسے واقعی اسے ابھی اس کی موجودگی سے آگاہ ہوا ہو۔ الوینہ کو عجیب سی خجالت اور سبکی کا احساس ہوا۔

''شکریہ......!'' بے تاثر سے انداز میں کپ تھام کر اپنے سامنے میز پہ رکھتے ہوئے وہ ایک بار پھر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پیشانی پہ پٹی ابھی بھی بندھی ہوئی تھی وہ دھندلی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے تیزی سے پلٹ گئی۔ اعصاب پہ چھایا بوجھ مزید بڑھ گیا۔ اس کا جی شدتوں سے رونے کی خواہش کرنے لگا تھا۔

❀......❀......❀

زوار شاہ اس شادی پہ آمادہ نہیں تھا۔ یہ بات اسے شادی کی رات پتا چلی تو اعصاب پہ جیسے کوئی بم آ گرا تھا۔ کتنا لاتعلق سا انداز تھا اس کا۔ مہندی مایوں کے علاوہ شادی کے دن کی ہر رسم کے موقع پر الوینہ نے اس کی ایسی ہی گمبھیر خاموشی اور بے گانگی محسوس کرتے ہوئے اپنے اندر سرد لہریں اٹھتی محسوس کی تھیں مگر تب ہر موقع پہ وہ یہ سوچ کر خود کو مطمئن کرتی رہی تھی کہ وہ اس سے خفا ہے وہ منالے گی مگر شادی کی رات اس پہ یہ ادراک ہوا کہ وہ اس سے خفا نہیں، بے زار ہے اگر یہ خفگی ہوتی تو وہ مان بھی جاتا اور وہ محبت سے اسے منالیتی مگر وہ تو اس سے معذرت کرتا رہا تھا۔

''سوری! مجھے بہت افسوس ہے کہ میں بابا سائیں کو کسی طور بھی روک نہیں پایا۔ حیرت ہے۔ زندگی میں پہلی بار وہ میری بات نہیں سمجھ پائے۔ ان کا خیال ہے آپ میری آج بھی محبت اور شدت کی خواہش ہیں۔'' وہ ہنسا تھا، کیسی ہنسی تھی مضحکہ اڑاتی ہوئی تمسخرانہ سی اور ایسی بے گانگی تھی اس لہجے میں کہ الوینہ سن بیٹھی رہ گئی تھی۔ زوار شاہ کی نگاہوں کی اجنبیت اور سرد پن اس کے مجتمع حوصلوں کو پل بھر میں مسمار کر گیا تھا۔ حالانکہ جتنی اچھی لگ رہی تھی وہ دلہناپے کے اس روپ میں اس کی بے تحاشا تعریفیں ہوئی تھیں پھر کیسے ممکن تھا کہ وہ شخص جس کی نگاہیں اس کے سادہ عام سے روپ کو پا کر بھی والہانہ انداز میں اٹھ کر پلٹنا بھول جاتی تھیں اب ان ہی نگاہوں میں وہ جو رنگ دیکھ رہی تھی وہ اس قدر غیر شناسا تھے کہ وہ ساکت سی رہ گئی تھی۔ ساری رات اس نے کھٹ کھٹ کرتے گزاری تھی اگلے روز اس کا ولیمہ جبکہ عثمان شاہ کی بارات تھی۔ عثمان شاہ کا ولیمہ شہر کے ہوٹل میں ہونا تھا۔ اگلی صبح اس کے لیے بہت بھاری تھی زوار شاہ کی کزنز کی شوخ قسم کی چھیڑ چھاڑ اس کے زخموں پر نمک پاشی کرتی رہی تھی وہ چونکہ خود بھی دلہن تھی اور دوسرے تقریب کے دلہا کی بہن بھی تو اسے دلہن کا کردار نبھانے کے ساتھ کچھ رسموں کی ادائیگی کے لیے بھی آگے آگے ہونا پڑا۔ میرون بھاری کامدانی غرارہ سوٹ میں اپنی شفاف دمکتی ہوئی رنگت لیے اس کا سوگوار سا اس روپ کو یا اپنے وجود پر چھا رہا تھا۔ زوار شاہ بلیک پینٹ کوٹ میں سرخ ٹائی لگائے اپنی مردانہ وجاہتوں سمیت کل کی نسبت آج خاصا مصروف نظر آرہا تھا۔ شیروانی اور پگڑی میں عثمان پہ نظریں ٹھہر رہی تھی۔ ترچھے زاویے سے صوفے پہ بیٹھا جھک کر دلہن بنی لائبہ کے کان میں کچھ کہتے ہوئے وہ کسی ریاست کا شہزادہ نظر آرہا تھا۔ تقریب کے اختتام تک وہ تھک کے نڈھال ہو کر بے دم سے انداز میں کمرے میں آئی تو زوار شاہ ابھی وہاں نہیں آیا تھا۔ چینج کرنے کے بعد وہ سر تک کمبل اوڑھ کر سوتی بن گئی۔ اگلا دن کل سے بھی زیادہ افراتفری اور ہڑ بونگ ساتھ لایا تھا کہ صبح ہی سے ناشتے کے بعد ہر کوئی اپنی اپنی گاڑی میں شہر روانہ ہو رہا تھا۔ لائبہ اور بھابی توخیب اور عثمان کے ساتھ ناشتے کے فوراً بعد ہی شہر روانہ ہو گئی تھیں۔ لائبہ کو آج وہیں کے پارلر سے تیار ہونا تھا۔

''تم نہیں چل رہے بیٹے؟'' اسے کسلمندی سے بستر پہ دراز دیکھ کر اماں جو کسی کام کی غرض سے اندر آئی تھیں خاصی چونکتے ہوئے استفسار کر گئیں تب ایک پل کو سہی زوار شاہ کی نگاہ بھی اس پہ اٹھی تھی۔ الوینہ کا دل بہت بے ہنگم سے انداز میں دھڑک اٹھا۔ اتنے کم عرصے میں ایسی ایسی تبدیلیاں اس کے اندر رونما ہوئی تھیں کہ وہ بس حیران ہوتی رہ گئی تھی۔ اماں اور مما جان کے اسرار کے سامنے اسے پنک کامدانی پشواز اور چوڑی دار پجامہ نہ چاہتے ہوئے بھی زیب تن کرنا پڑا۔ اس کی مناسبت سے میرون میک اپ، میچنگ جیولری اور پھولوں کے گہنوں سمیت تیار ہو کر جب اس نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تو ایک پل کو خود بھی نہ پہچان پائی۔ اس لباس میں وہ بالکل مغلیہ دور کی کوئی نازک اندام بے انتہا حسین شہزادی کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ تقریب کے دوران وہ زوار شاہ کی پرتپش نگاہوں کی حدت سے خود کو پگھلتا محسوس کرتی رہی تھی۔ واپسی پر اس کا موڈ اچھا خاصا آف ہو چکا تھا کہ دور دور سے اسے دیکھنے والا زوار شاہ قریب آتے ہی ایسا لاتعلق بن جاتا تھا کہ اسے تاؤ آنے لگا تھا۔ تقریب چونکہ رات گئے ختم ہوئی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ گاؤں جانے کی بجائے ''شاہ ہاؤس'' میں آگئے تھے۔ اپنے کمرے میں آتے ہی وہ سخت غصے کے عالم میں وارڈ روب سے کپڑے نکالنے لگی تھی جب بہت عجلت بھرے انداز میں زوار شاہ اندر آیا تو اس نے دیکھ کر بھی جیسے نظر انداز کر گیا۔

''اگر بہت تھک گئی ہو تو میں کچھ مدد کراؤں۔'' اس کی پشت پہ رک کر وہ بھاری لہجے میں بولا۔ الوینہ کا جھمکا اتارتے ہوئے الوینہ کا ہاتھ اسی زاویے پہ ساکن ہوا تھا۔ وہ سخت طیش کے عالم میں پلٹی۔

''اچھا! کل اور پرسوں بھی میں نے یہ کام بے تحاشا تھکن کے باوجود کیا تھا، تب تو آپ کو خیال نہیں آیا۔'' اس کا لہجہ جتنا طنزیہ تھا اس سے بڑھ کر سلگا ہوا تھا۔

''اوہو لگتا ہے محترمہ خفا ہو گئی ہیں؟'' کان کا جھمکا چھیڑتے ہوئے وہ بہت دوستانہ انداز میں مسکرایا گویا درمیان میں کوئی خفگی تھی ہی نہیں۔

''مجھے کیا ضرورت ہے ایرے غیروں سے خفا ہونے کی؟'' اس نے نخوت سے ناک چڑھا کر اس کا ہاتھ جھٹکا۔

''ہاں بھئی! ایرے غیرے سے خفا ہونے کی ضرورت نہیں لیکن اس ایرے غیرے کے لیے رات بھر آپ رو ضرور سکتی ہیں۔'' اس کا انداز یکسر بدلا ہوا تھا۔ چوری پکڑے جانے پہ الوینہ خفت سے سرخ پڑتی کچھ بولنے کے قابل نہ رہی۔

رونا سسکنا تڑپنا بلکنا
کہیں راز تیرا بتا دے نہ سب کو
جو ہے تیرا اپنا بہت پیارا سجنا
نہیں رہا تیرا بتا دے نہ سب کو

گھوم کر اس کے سامنے آتا ہوا جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکتا وہ بہت مزے سے گنگنایا تو الوینہ کو جانے ایک دم کیا ہوا اپنے ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر بے قراری سے رو پڑی۔

''نو نو...... اب اور نہیں میری جان!'' اس کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے وہ اس کا بھیگا چہرہ ہاتھ کی پشت سے نرمی سے صاف کرتا ہوا پھر سے گنگنایا۔

لے کے صاف انکھیاں جو چھم چھم دیاں
بھگو دیں گی ورنہ آنچل یہ تیرا
کہاں اور کیسے بتاؤ گی سب کو
جو پوچھیں گے جاناں لوگ سب آنسوؤں کا
ہے بے وفائی میاں کی کیا بتاؤ گی سب کو؟

اسے شانوں سے تھام کر نرمی سے خود میں سمیٹتا ہوا وہ بہت جذب سے بولا تھا۔

''کچھ بھی نہیں تھا بس ذرا سی شرارت کے سوا جب تم نے اتنا ستایا تو اتنا حق تو میرا بھی تھا نا۔''

ہر کسی پہ نظریں تو نہیں اٹھتیں ہر کسی پہ دل تو نہیں مچلتا
اس شہر میں روپ کا کال نہیں کچھ اور ہے اپنے ساجن میں

''یقین آیا۔'' اس نے مسکرا کر اسے گدگدایا تو الوینہ کی مدھر ہنسی کی جھنکار ہر سو بکھر گئی تھی۔

http://primenovels.blogspot.com/
http://primenovels.blogspot.com/

http://primenovels.blogspot.com/

دلِ مضطرب

اقبال بانو

یادیں کتنی حسین ہوتی ہیں اچھے لوگوں سے وابستہ یادیں جن پر گزرا وقت بھی اثر انداز نہیں ہوتا اور جب یادوں کی پٹاری کھولی جائے تو اچھے اور پیارے پیارے لوگ ایک ایک کر کے اپنی پوری خوب صورتی کے ساتھ سامنے آجاتے ہیں اور ان کی طرف سے کسی خاص خبر کا انتظار بھی رہتا ہے بالکل اسی طرح جیسے رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوتے ہی مجھے شیبا ناصر کے عید کارڈ کا انتظار رہنے لگتا ہے۔

میں پہلے روزے ہی سے اپنے گیٹ کے ساتھ لگے لیٹر بکس کو صبح شام دیکھتا ہوں کہ کوئی ڈاک...... حالانکہ جب سے موبائل اور نیٹ آیا ہے میرے بچے میرا مذاق اڑاتے ہیں کہ میں اس دور میں بھی لیٹر بکس میں جھانکتا پھرتا ہوں۔ انہیں کیا پتہ کہ مجھے کس قدر تسکین ملتی ہے۔ میں نے خود کو اس قدر مصروف کرلیا ہے کہ کبھی اتنی فرصت ہی نہیں ملی کہ کسی کو دل سے یاد کروں مگر شیبا ناصر وہ واحد شخصیت ہے جو مجھے یاد آتی ہے اور شدت سے آتی ہے اور خصوصاً وہ عید کے روز تو میری رگ رگ میں اترتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ پہلے جب عید کارڈز ملتے تھے تو بہت خوشی ہوتی تھی۔ عید کے دن میں بیڈ پر عید کارڈز پھیلا کر بیٹھ جاتا تھا اور دوستوں کے کارڈ بھائیوں بیرون ملک سے آئے بہنوں کے کارڈز میرے دل میں توانائیاں بھر دیتے پھر جو کارڈ میرے اندر کے رنگوں کا کارڈ ہوتا اسے میں آخر میں دیکھتا میری آنکھوں میں نمی اتر آتی۔ اب تو کوئی عید کارڈ بھیجتا ہی نہیں۔

فون پر فیس بک پر ہی عید مبارک کہہ کر فرض نباہ لیا جاتا ہے مگر شیبا ناصر آج بھی مجھے کارڈز بھیجتی ہیں۔ میرے پاس پورے تیس کارڈز جمع ہیں جو صرف شیبا ناصر کے ہیں جب بھی مجھے نیا عید کارڈ ملتا ہے میں لاشعوری طور پر محفوظ کارڈز کو بھی نکال لیتا ہوں جو میں نے سینت سینت کر رکھے ہوئے ہیں۔ میں عید کا سارا دن اپنے کمرے میں گزارتا ہوں عید کے دن میری بیوی بچوں کی اپنی مصروفیات ہوتی ہیں بیگم گھر کے کاموں میں مصروف رہتی ہے اور بچے اپنی ایکٹیویز میں مست میری بیوی نے آج تک نہیں پوچھا کہ عید کے روز میں اپنے کمرے میں کیوں بند ہو جاتا ہوں؟

میں آرمی میں بریگیڈیئر ہوں اور بنجاروں جیسی زندگی ہے۔ ٹرانسفر ہوتے رہتے ہیں مگر مجھے حیرت ہے کہ میں جہاں بھی جاتا ہوں شیبا کا عید کارڈ مجھے ضرور ملتا ہے اس کا مطلب ہے وہ مجھے نہیں بھولی۔ میرے بارے میں اسے ساری معلومات ہیں۔ مگر میں نے اسے کبھی نہیں کھوجا۔ ویسے بھی کھوجا تو انہیں جاتا ہے جو دور ہو مگر شیبا تو میرے پاس ہی ہے آنکھوں میں تصویر بن کر دل میں دھڑکن بن کر دھڑکتی ہے رگ رگ میں خون بن کر دوڑتی ہے۔ اب بھلا وہ میرے اتنے قریب ہے تو میں اسے کیوں کھوجوں۔

❀......❀......❀......❀

وہ موسم بہار کی بہت خوش گوار شام تھی ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی اور گیلی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو روح تک کو سرشار کررہی تھی جب میری بائیک سرخ روشنی کو روندتی ہوئی آگے بڑھی تو میں نے پورچ میں پہنچ کر بریک لگادیے اگر ایسا نہ کرتا تو وہ یقیناً ٹکرا جاتی۔

"سوری مس۔" میں جلدی سے بولا۔ وہ مجھے نہایت غصہ سے گھور رہی تھی۔ مارے خوف کے اس کا چہرہ الماس کے پھولوں کی طرح زرد ہوگیا تھا مگر آنکھوں میں شعلے لپک رہے تھے۔ وہ بلیک اور پنک پھولوں والوے سوٹ میں بہت اچھی لگ رہی تھی بالکل دل میں اترتی ہوئی۔

"اب کیا پٹر پٹر گھور رہے ہیں؟"

"کیا آپ کو دیکھنا جرم ہے۔" میں نے نہایت سادگی سے پوچھا۔

"دل چاہتا ہے سب مردوں کی آنکھیں نکال کر ان کی ہتھیلی پر رکھ دوں۔" وہ ہونٹ چبا کر بولی۔

"آپ میری ہی آنکھیں نکال دیں مجھ سے ابتدا کریں تو بہتر ہے۔" میں شرارت سے باز نہ آیا۔

"اسٹوپڈ۔" وہ غصے سے بل کھا کر رہ گئی اور تیزی سے برآمدے کی سیڑھیاں عبور کرکے اندر چلی گئی۔ اس کی سینڈل کی ٹھک ٹھک کے ساتھ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ میں نے بائیک کی چابی نکالی اور اندر آ گیا۔

مجھے حیرت تھی کہ یہ کون لڑکی ہے اور کہاں سے آئی ہے پہلے تو میں نے اسے نہیں دیکھا۔ میں اپنی سوچوں میں غرق تھا کہ بھابی ثمینہ لاؤنج میں آئیں اور مجھے دیکھ کر محبت سے لبریز آواز میں سوال کیا۔

"ارے عبدالہادی تم کب آئے۔"

"ابھی اور اسی وقت۔" میں نے سر ہلا کر کہا۔

"تم ہمیشہ ہی بغیر اطلاع کے آتے ہو۔" انہوں نے سرزنش کی۔

"آپ تو مجھے یاد ہی نہیں کرتیں کبھی کوئی خط ہی لکھ دیں۔"

"سوری عبدالہادی کیا کروں میرے بچے بہت کھپاتے ہیں۔"

"تو نہیں پیدا کرنے تھے۔"

"شرم کرو۔" ثمینہ بھابی بلش ہوگئیں۔ تبھی وہ آ گئی۔ میری دھڑکن ایک دم سے تیز ہوگئی۔ مجھے دیکھ کر وہ ایک دم پلٹی کہ بھابی کی نظر پڑ گئی۔

"ارے شیبا ادھر آؤ بھئی۔ میرے دیور عبدالہادی سے ملو۔ غائبانہ تعارف تو ہے نا؟ آرمی میں کیپٹن ہے آج کل اس کی پوسٹنگ کوئٹہ میں ہے۔"

"آداب۔" اس نے اپنا ہاتھ ماتھے پر لے جا کر کہا۔

"جیتی رہو۔" میں نے بزرگانہ انداز میں کہا تو بھابی زور سے ہنس دیں اور بولیں۔ "برا نہ ماننا یہ بہت نٹ کھٹ ہے۔" اور وہ کوئی جواب دیے بغیر چلی گئی۔

"یہ ہیرا کہاں سے آیا؟"

"ارے یہ میری خالہ زاد ہے اور میاں چنوں سے آئی ہے۔ بچپن میں والدین فوت ہوگئے گریجویشن کیا ہے اور اب بھابی کو یہ کھٹکتی تھی اس لیے ساجد نے میرے ہاں بھیج دیا کہ کوئی اچھا سا لڑکا دیکھ کر شادی کردوں۔"

"پھر اس لڑکے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے خوشی سے کہا۔

"عبدالہادی۔" بھابی حیرت سے بولیں۔

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ میں نے بھی تو شادی کرنی ہے کہیں نہ کہیں۔"

"عبدالہادی اتنی جلدی زندگی کے فیصلے نہیں کیے جاتے۔" بھابی کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی۔

"بھابی فیصلے تو ایک دم ہی کیے جاتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "زندگی کے فیصلے کرنے کے لیے کوئی باقاعدہ پلان نہیں بنایا جاتا۔ کوئی بھی کہیں بھی دل کو بھا سکتا ہے اور دل اس کا ہمیشہ کا ساتھ چاہتا ہے ویسے بھی آف دی ریکارڈ بات ہے امی میرے لیے لڑکیاں دیکھتی پھر رہی ہیں۔"

http://primenovels.blogspot.com/

"پھر......"

"پھر یہ کہ میں شیبا کا نام لے دوں۔"

"تم اچھی طرح سوچ لو۔"

"میں نے سوچ لیا۔ مجھے آپ کی کزن بہت پسند آئی ہے۔"

"تمہیں علم ہے عبدالہادی۔ تائی جان کبھی بھی نہیں مانیں گی۔ پتہ ہے نا وہ تو عاطف اور میری شادی کی بھی سخت مخالف تھیں۔ تایا جان اور عاطف کی ضد کے آگے مان گئیں مگر مجھے آج تک بہو کا رتبہ نہیں دیا حالانکہ میرا وجود چار حصوں میں بٹ چکا ہے۔"

"آپ پرانی باتیں چھوڑیں۔ آپ کے بچوں کو تو چاہتی ہیں نا اور یوں بھی جب میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔" میں نے نہایت بے پروائی سے کہا تو وہ زور سے ہنس دیں۔

"کوئٹہ سے کب آئے؟"

"رات ہی آیا تھا اب میری پوسٹنگ کھاریاں میں ہوگئی ہے۔"

"ارے واہ۔" وہ خوش ہوگئیں۔

"جی اور اب ایک ہفتہ تک آپ کا دماغ چاٹوں گا۔" میں نے بتایا۔

"جگ جگ آؤ...... آخر تمہارا ہی گھر ہے۔" بھابی محبت سے بولیں۔

"آپ کے چہار درویش کہاں ہیں۔" میں ان کے بچوں کو چہار درویش ہی کہتا تھا۔

"تارہ کی بیلی کی برتھ ڈے ہے تو چاروں وہیں گئے ہیں۔" بھابی نے بتایا۔ تبھی شیبا ٹرالی دھکیلتی ہوئی اندر آ گئی۔

"بہت اچھا کیا تم چائے لے آئیں میں نوری کو کہنے ہی والی تھی۔" بھابی صوفے پر سیدھے ہوتے ہوئے بولیں۔

"اور میں سوچنے لگا کہ اس لڑکی کو الہام بھی ہوتے ہیں میرا کس قدر دل چاہ رہا تھا چائے کے لیے۔" شیبا پلٹی تو بھابی نے کہا۔

"یار چائے بنا دو۔" پھر میری جانب دیکھ کر بھابی ہنسنے لگیں۔ "شیبا بہت اچھی چائے بناتی ہے۔"

"دیکھتے ہیں۔" میں نے بے پروائی سے شانے اچکائے تبھی ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ بھابی اٹھ گئیں فون سننے اور میں نے آنکھیں موند لیں۔ مگر آنکھوں کی جھری سے میں اسے چائے بناتا دیکھ رہا تھا۔

اس نے سپرٹ چائے بنائی تھی قہوہ اور دودھ ڈالنے کے بعد اس نے شوگر پاٹ اٹھائی اور پھر میری جانب دیکھا وہ مجھے مخاطب ہی نہ کرنا چاہ رہی تھی میں بھی اس کی کشمکش و پیچ کا مزا لے رہا تھا۔ پھر اس نے ایک چمچ کپ میں ڈالا اور میرے سامنے کپ رکھ کر بولی۔

"چائے پی لیجیے۔"

"شکریہ۔" ثمینہ بھابی ابھی تک فون پر مصروف تھی۔

"بیٹھیے نا؟ آخر میں آپ کا مہمان ہوں۔"

"آپ میرے نہیں بھابی کے مہمان ہیں۔"

"کہیں تو میں آپ کا بھی مہمان بن سکتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" اس کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔

"ارے صاحب ہم آپ کے مہمان بن سکتے ہیں آپ ہمارے دل کی مہمان ہو سکتی ہیں۔"

"شٹ اپ۔" شیبا اتنی زور سے گرجی کہ بھابی نے پلٹ کر دیکھا اور ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں آپ بات کریں ہمارا آپس کا معاملہ ہے۔" میں نے یوں کہا جیسے کہ بھابی کا شیبا سے کوئی تعلق ہی نہ ہو بھابی نے بھی کوئی توجہ نہ دی اور شیبا بھی تیزی سے لاؤنج سے نکل گئی میں نے چائے کی پیالی لبوں سے لگا لی۔

بھابی نے رات کے کھانے کے لیے روکنا چاہا مگر میں امی کو بتا کر نہیں آیا تھا اور ویسے بھی میں جب آتا تو امی میرے بغیر کھانا نہ کھاتیں آج بھی انہوں نے میری فرمائش پر قیمہ کریلے بنائے تھے میں چاہتا بھی تو نہ رکتا۔ بھابی مجھے باہر تک چھوڑنے آئیں تو میں نے کہا۔

"کل کا لنچ آپ کے ساتھ۔"

"تم بہت کمینے ہو۔" جب مجھ پر پیار آتا تو یونہی کہتیں۔

"یار میں یہ القاب سن سن کر پریشان ہوگیا ہوں اب جلدی اس کمینے کے لیے کوئی کمینی ڈھونڈیں۔"

"زیادہ بکواس مت کرو۔" بھابی نے میری پیٹھ پر دھپ ماری میں نے کہا۔

"میری آخری بات یاد رکھیے گا۔" اور ان کا جواب سنے بغیر ہی میں لوٹ آیا۔ البتہ سارا راستہ شیبا ناصر میرے حواسوں پر چھائی رہی۔ گھر پہنچا تو عذرا بھابی اور امی میرا انتظار کر رہی تھیں۔

"کھانا لگواؤ تمہارے ابا بھی آ گئے ہیں۔"

"ہاں ضرور۔"

"جاؤ عذرا کھانا لگاؤ کل آئے دوست سے؟" عذرا بھابی کے جانے کے بعد امی نے کہا۔

"جی آنے ہی نہیں دے رہا تھا۔ کہنے لگا کھانا کھا کر جاؤ بڑی مشکل سے کل کے لنچ کے وعدے پر چھوڑا۔ میں بھلا رک سکتا تھا آپ کی اجازت کے بغیر۔" میں نے لاڈ سے کہا۔

"میں صدقے۔" امی نہال ہو گئیں۔ کس قدر آسان ہے ماؤں کو بہلانا لیکن نہیں اگر میں بتا دیتا کہ بڑے بھائی کی طرف گیا تھا تو سو عیب وہ ثمینہ بھابی کے نکالتیں اور مجھ سے خفا الگ ہوتیں۔ حالانکہ ثمینہ بھابی بہت اچھی ہیں مگر امی کو تو ان سے بیر ہے وہی روایتی دیورانی جیٹھانیوں کے جھگڑے جو جوائنٹ فیملی میں ہوتے ہیں پھر دادا نے ثمینہ بھابی اور عاطف بھائی کی بچپن میں ہی منگنی کر دی تا کہ دونوں بھائی ایک دوسرے سے جڑے رہیں والدین تو یہی چاہتے ہیں کہ اپنے بچے آپس میں ہمیشہ ایک دوسرے کے نزدیک رہیں مگر امی کی مخالفت ختم نہ ہوئی۔

❀......❀......❀......❀

یونہی وقت گزرتا رہا اور میں کھاریاں سے ہر ہفتہ پنڈی آتا تو ثمینہ بھابی کے ہاں چکر ضرور لگاتا مگر وہ لڑکی...... شیبا ناصر جو امرت بن کر قطرہ قطرہ میرے دل میں اتر گئی تھی اس کی سرد مہری میں فرق نہ آیا۔ میں پورا ہفتہ سوچتا کہ اب جاؤں گا تو اس سے یہ کہوں گا وہ کہوں گا مگر وہ تو ایسی چھپتی کہ نظر نہ آتی اور میں ہر آہٹ پر اس کا منتظر رہتا پتہ نہیں وہ کیوں مجھ سے چھپتی

مغربی اور مشرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ
ماہنامہ
نئے اُفق
کراچی
...... منتخب ...... سے بھرپور تحریریں
ایسی کہانیاں جو ...... ہوں گی
شائع ہوگیا ہے
مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبہ زرین قمر کے قلم سے مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں
اس کے علاوہ
خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے
اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق
کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں
021-35620771/2
0300-8264242

http://primenovels.blogspot.com/
http://primenovels.blogspot.com/

تھی۔ اس روز میں اچانک پہنچا تو وہ تارہ اور عبید کے ساتھ لیڈو کھیل رہی تھی۔ قریب ہی جنید اور مونا بھی بیٹھے تھے۔

"ہیلو ایوری باڈی۔"

"ہیلو چاچو۔" عبید اور جنید مجھ سے لپٹ گئے۔

"بس تارہ پھر کھیلیں گے۔" شیبا اٹھتے ہوئے بولی۔

"ارے واہ آپ نے مجھے اتنی مرتبہ ہرلیا ہے اب ہارنے والی ہیں تو ڈر رہی ہیں۔" تارہ نے ہاتھ پکڑ کر اسے واپس اس کی جگہ پر بیٹھا دیا۔

"نہیں بھئی اب موڈ نہیں ہو رہا۔" وہ منمنائی۔

"موڈ ہو یا نہ ہو آپ نے کھیلنا ہے اب میں جیتوں گی کیوں چاچو؟"

"ہاں یقیناً تم ہی جیتو گی۔" میں جنید اور عبید کو دونوں گھٹنوں سے لگا کر قالین پر ہی بیٹھ گیا اور پھر تارہ اور شیبا کھیلنے لگی۔

اب کے شیبا بری طرح ہار گئی۔ وہ بالکل میری نظروں کی رینج میں تھی اور اسے میں اپنی آنکھوں کے راستے دل میں اتار رہا تھا بازی ختم ہوئی تو تارہ بولی۔

"آپ چاچو کے ساتھ کھیلیں ہاشی آنٹی۔"

"مجھے کام ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہاری آنٹی ہار سے ڈر رہی ہیں۔" میں نے تارہ سے کہا۔

"ہیں آنٹی۔"

"خوش فہمی ہے تمہارے چاچو کو۔" وہ نہایت بے پروائی سے بولی۔ تو میں اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔

"آپ ان ڈائریکٹ بات کیوں نہیں کر رہی ہیں؟"

"آپ نے بھی تو ان ڈائریکٹ کہا ہے۔"

"یعنی آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ سے ڈائریکٹ بات کروں۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"جی نہیں مجھے ضرورت نہیں آپ سے بات کرنے کی۔"

"مجھے تو ہے۔" تارہ ہم دونوں کی باتیں بغور سن رہی تھی۔

"تارہ بیٹا نوری سے چائے کا کہہ آؤ۔"

"اچھا چاچو۔" تارہ بھاگ گئی شیبا نے بھی جانا چاہا مگر میں نے اس کا راستہ روک لیا۔ اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔

"آپ مجھ سے خفا ہیں۔"

"میں کیوں خفا ہونے لگی۔"

"لگتا تو ہے۔"

"خفا ان سے ہوا جاتا ہے جن سے کوئی تعلق یا رشتہ ہو۔"

"رشتہ ہوتا نہیں بنایا جاتا ہے تعلق جوڑے جاتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ بھی مجھ سے کوئی خوب صورت سا رشتہ جوڑ لیں۔ جس میں روٹھنے منانے کے تمام حقوق ہم دونوں کو حاصل ہوں۔"

"نہیں۔" وہ کانپ گئی۔

"کیوں نہیں آپ کو علم ہے میں کھاریاں سے ہر ہفتے آپ کے لیے آتا ہوں رشتہ جوڑنے آتا ہوں اور آپ غائب ہو جاتی ہیں کیوں؟"

"میں کسی کو یہ حق نہیں دے سکتی ہوں کوئی مجھ سے یہ سوال پوچھے وجہ پوچھے۔" وہ سخت لہجے میں بولی۔

"مگر میں یہ حق حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" میں زور سے بولا۔ اسی وقت ثمینہ بھابی آ گئیں اور وہ جلدی سے چلی گئی۔

"کیا ہوا عبدالہادی۔"

"بھابی مجھے آپ کی یہ کزن ریزہ ریزہ کر رہی ہے۔ مجھے اس کا خیال بہت پریشان کرتا ہے میں ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا ہوں اور محترمہ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔" ثمینہ بھابی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا چاہتے ہو۔"

"شیبا کو چاہتا ہوں۔"

"پھر لے آؤ اس کا پروپوزل۔"

"پھر کیا ہوگا۔"

"میں تمہاری شادی کروا دوں گی۔"

"اگر یہ نہ مانی۔"

"یہ میرا مسئلہ ہے۔"

"ٹھیک ہے میں امی سے بات کرتا ہوں۔" تارہ فوری چائے لے آئی مگر میں ثمینہ بھابی اور تارہ کے روکنے کے باوجود

بھی نہ رکا اور تیزی سے بائیک اڑاتا ہوا گھر پہنچ گیا۔ میرے جذبوں کی وہ قدر نہیں کر رہی تھی اور مارے غصے کے برا حال تھا۔ میرا دل بجھ گیا۔ مجھے دکھ تو یہ تھا کہ زندگی میں پہلی بار ایک لڑکی پسند آئی اور وہ بھی مجھ سے کھنچی کھنچی سی تھی۔ سو بار خود پر لعنت بھیجی کہ یہی حقیقت تھی دنیا کی باقی لڑکیاں مرگئی تھیں اور امی سے بات کرنے کی ہمت نہ تھی اگر شیبا انکار کر دیتی تو میری کیا عزت رہ جاتی؟ میں اس سے اظہار کروانا چاہتا تھا پھر امی سے بات کرنی تھی۔

عید کا دن قریب آنے لگا تھا امی چاہتی تھی رمضان کا آخری عشرہ میں ان کے ساتھ گزاروں مگر میں نے صاف انکار کر دیا کہ چھٹی نہیں مل رہی۔ عید کے دن بھی میں گھر نہ گیا اور وہیں پڑا رہا۔ وہ میری زندگی کی پہلی عید تھی جو خالی گزر گئی۔ ورنہ عید کے دن شاید ہی کوئی مجھ سے زیادہ انجوائے کرتا ہو مگر یہ جوانی...... جب دل کہیں لگ جائے تو دل کی امتحان لیتی ہے۔

لنچ کے بعد میں اپنے کمرے میں آیا تو میرے بیٹ مین اشرف نے عید کارڈ دیے۔ میں پلنگ پر بیٹھ گیا اور بے دلی سے کارڈز دیکھنے لگا۔ عاطف بھائی اور ثمینہ بھابی کا کارڈ تھا۔ آصف بھائی اور عذرا بھابی کی طرف سے کارڈ تھا۔ بہت دعائیں دی تھیں۔ امی نے پنڈی نہ آنے پر ڈھیروں ڈانٹ پلائی تھی اور پانچواں کارڈ۔ میں پھڑک اٹھا۔ دل پر بڑی نرم نرم پھوار پڑنے لگی اور ساری قنوطیت ایک دم ہی بھاگ گئی۔ دل چاہا میں ابھی اٹھ کر پہنچ جاؤں اور کہوں اس طرح منایا جاتا ہے۔ جی ہاں وہ کارڈ شیبا کی جانب سے تھا اور عید مبارک کے بعد لکھا تھا۔

"آپ مجھ سے خفا ہیں؟ اگر خفا ہیں تو پلیز آج کے دن مان جائیں عبدالہادی۔" کتنے خوب صورت اور سادہ جملے میں اس نے اپنے اندر کا راز منکشف کیا تھا میرا دل جھوم اٹھا۔ دل چاہا میں شام کو پنڈی چلا جاؤں پھر میں نے ایسا ہی کیا۔

پہلے میں عاطف بھائی کے ہاں گیا اور شیبا کی نرم نرم مسکراہٹ نے میرے اندر اجیارہ بکھیر دیا۔ وہ چاروں بچوں کے ساتھ لان میں کرکٹ کھیل رہی تھی۔ عبید اور جنید مجھ سے لپٹ گئے۔

"آپ نے عید کی نماز بھی ہمارے ساتھ نہیں پڑھی۔"

AANCHALPK.COM
تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے
آج ہی قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں
ماہنامہ آنچل کراچی
ملک کی مشہور معروف قلمکاروں کے سلسلے وار ناول، ناولٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریدہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں ہے جو آپ کی آسودگی کا باعث ہو سکتا ہے اور وہ ہے اور صرف آنچل۔ آج ہی اپنی کاپی بک کرالیں۔
ٹوٹا ہوا تارا
امید وصل اور محبت پر کامل یقین رکھنے والوں کی ایک دل نشیں خوبصورت کہانی سمیرا شریف طور کی زبانی
شب ہجر کی پہلی بارش
محبت و جذبات کی خوشبو میں بسی ایک دلکش داستان نازیہ کنول نازی کی دلفریب کہانی
موم کی محبت
پیار و محبت اور نازک جذبوں سے گندھی معروف مصنفہ راحت وفا کی ایک دلکش و دل ربا نایاب تحریر
AANCHALNOVEL.COM
پرچہ نہ ملنے کی صورت میں رجوع کریں (021-35620771/2)

http://primenovels.blogspot.com/
http://primenovels.blogspot.com/

"تم نے بلایا ہی نہیں۔" میں نے شیبا کی طرف دیکھا وہ مسکرا رہی تھی۔ گلابی سلک کے سوٹ میں وہ بہت کیوٹ لگ رہی تھی۔ ہلالی پلکیں اس کے سرخ گالوں پر تھرک رہی تھی اور ان تھرکتی پلکوں میں میرا دل اٹک گیا۔

"چاچو آنٹی اچھی لگ رہی ہیں نا۔" عبید معصومیت سے بولا۔

"یار میں تو گلابی پھول دیکھ رہا ہوں کتنا اچھا لگ رہا ہے۔" میرے اتنا کہنے پر شیبا سرخ ہوگئی۔

"چلو تم لوگ کھیلو رک کیوں گئے؟" میں نے عبید سے کہا تو وہ اپنی باری لینے لگا۔

"تمہیں پتا ہے کوئی ناراض ہو تو کیسے منایا جاتا ہے؟"

"نہیں۔" اس نے سر ہلا کر نفی میں جنبش دی۔

"گلے ملا جاتا ہے تاکہ تمام شکوے دور ہو جائیں۔" میں نے اس کی طرف جھک کر سرگوشی کی تو وہ خوف زدہ ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔ تبھی ثمینہ بھابی آ گئیں اور سارے رومینٹک موڈ کا ستیاناس ہو گیا۔

رات کو میں گھر آیا تو امی بہت خوش ہوئیں شکوہ بھی کیا کہ میں عید گزار کر کیوں آیا ہوں میں نے ماں کو منالیا کہ میں اتنا خوش تھا مجھے امی کی سرزنش بھی بری نہ لگی۔

❁......❁......❁......❁

زندگی سے پورے تین ماہ نکل گئے شیبا کی محبت میرے روم روم میں بس گئی تھی۔ ہم روز رات کو فون پر ڈھیروں باتیں کرتے آہستہ آہستہ ہم اتنے قریب آ گئے کہ بچھڑنے کا تصور بھی سوہان روح تھا۔ پھر ایک دم میری خوشیوں کے گلشن میں خزاں نے ڈیرے ڈال دیئے۔ امی نے اشرف ماموں کے ہاں میرا رشتہ طے کر دیا۔ شہلا مجھے قطعاً پسند نہ تھی اگر شیبا نہ ہوتی شاید میں مان بھی جاتا۔ مگر میں بھی ڈٹ گیا۔ امی نے صاف کہہ دیا کہ شیبا ان کی بہو نہیں بن سکتی۔

لیکن میں نے کہہ دیا کہ شیبا کے علاوہ کوئی نہیں۔

انہیں دنوں میرا ٹرانسفر کراچی ہو گیا اور میں شیبا کو بہت سے دلاسے دے کر کراچی آ گیا۔ میری فون پر بات ہوتی تھی میں شیبا کو مطمئن کرتا کہ تم نہیں تو کوئی نہیں۔ مگر امی نے پتہ نہیں کون سا پزل کھیلا تھا کہ میں ہار گیا اور تو اور مجھے شیبا نے بھی کچھ نہ بتایا۔ مجھے کراچی آئے ایک ماہ ہوا تھا کہ شیبا کی شادی کا کارڈ میری موت کا پروانہ تھا۔ شیبا کی شادی صرف دو روز بعد ہونی تھی۔ میں کیا کر سکتا تھا اگلے دس دن بعد میری بھی شہلا سے شادی طے کر دی گئی تھی۔ میں بے بس ہو کر بازوؤں میں سر چھپا کر رو دیا۔

"میں نے گھر فون کر کے بتایا کہ میری شادی کا تو بھول جائیں۔" اس روز میں ڈیوٹی سے آیا تو ثمینہ بھابی امی اور عاطف بھائی موجود تھے۔ مجھے ان لوگوں کو دیکھ کر کوئی خوشی نہ ہوئی۔ امی نے روایتی ماؤں کی طرح میرے قدموں پر دوپٹہ رکھا تو مجھے لگا آسمان جھک گیا ہو میں گلوگیر آواز میں بولا۔

"امی آپ کی خوشی میری خوشی۔" اور ان کا جواب سنے بغیر میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ دل میرے اس فیصلے پر احتجاج کرتا رہا مگر میں کیا کرتا کہ شیبا بھی تو بیاہ دی گئی تھی۔ میں ثمینہ بھابی کی گود میں سر رکھے شکوہ کرتا رہا۔

"آپ نے میری محبت کو مجھ سے چھین لیا۔"

"نہیں میری جان تائی جان ہی زاہد کا رشتہ شیبا کے لیے لائی تھی اور میں اور عاطف انکار ہی نہ کر سکے۔"

"آپ نے میری امانت میں خیانت کی...... کیوں؟"

"یہ مت پوچھو عبد الہادی۔"

"بھابی آپ مجھے بتاتی تو میں شیبا سے کورٹ میرج کر لیتا۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے عاطف کو بتایا تھا تو عاطف مجھ پر خفا ہوئے کہ شیبا کو میں ان چاہی بہو بناؤں اپنی طرح۔ وہ رو دیں۔ "بیٹا ہم مقدر کے تابع ہیں مقدر ہمارا تابع نہیں۔"

میں کچھ بھی نہ بول سکا۔ پھر میری شہلا سے شادی ہو گئی۔

"دیکھو شہلا کو کوئی دکھ نہ ہو۔ اس لیے کہ یہ تمہارے ماموں کی بیٹی اور تائی جی کی پسند ہے۔" بھابی میرے برابر بیٹھی کہہ رہی تھی۔

"شیبا بھی تو میری پسند تھی کس نے احساس کیا؟"

"تم جو ہو اس کا احساس کرنے والے۔" وہ زخمی مسکراہٹ لبوں پر لا کر بولیں اور میں ان کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

میں شہلا کو لے کر کراچی آ گیا اور کہہ دیا۔ "کہ آئندہ وہ پنڈی جائے گی تو اکیلی مجھے ساتھ لے جانے کی ضد نہ کرے۔" اس نے حیرت سے مجھے دیکھا اور کچھ نہ بولی۔

چند ماہ بیت گئے شہلا کی اپنی ہم عمر عورتوں سے دوستی ہو گئی۔ ہم خوش تھے۔ ہماری شادی کے بعد پہلی عید آئی تو میں نے شہلا کو دل بھر کے شاپنگ کرائی وہ بہت خوش رہتی کہ میں اس کے سارے حقوق پورے کرتا تھا۔ اس کی ہر تکلیف کا احساس کرتا کیوں نہ کرتا وہ میری بیوی تھی۔ مگر میں رات کو اپنی محبت کا لوبان ضرور سلگاتا اور شیبا سے باتیں کرتا۔ اس کا تصور بہت زور دار تھا۔ میں نے شہلا سے کہا بھی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ عید کرے مگر وہ نہ مانی امی نے بہت بلایا لیکن میں نہ گیا۔

شادی کے بعد میری پہلی عید تھی۔ نماز کے بعد میں اپنے کمرے میں آ گیا کہ بیٹ مین ڈاک لے آیا۔ شہلا بھی میرے پاس تھی۔ ڈاک دیکھ کر دل زور سے دھڑکا کہ اس میں شیبا کی طرف سے بھی عید کارڈ تھا۔ میں نے شہلا کی طرف دیکھا جو ٹی وی پر عید شو دیکھ رہی تھی۔ مجھے شدت سے پچھلی عید یاد آئی جو میں نے اکیلے منائی تھی آج تو شہلا ساتھ تھی مگر شیبا کا خیال بھی دل و ذہن میں چٹکیاں لے رہا تھا۔ میں نے شیبا کا کارڈ کھولا۔ بغیر کسی القاب کے لکھا تھا۔

"عید کی خوشیاں مبارک ہوں۔" اور پھر اس کارڈ کو کتنی دیر میں دیکھتا رہا اور پھر بہت احتیاط سے گزشتہ برس کے کارڈ کے ساتھ رکھ دیا۔ جیسے میری زندگی کا اہم سرمایہ ہو۔

وقت کا دھارا بہتا رہا اور میں اپنے ملک کے شہر شہر گھومتا رہا۔ میں جہاں بھی ہوتا ہوں مجھے عید کے روز شیبا کا کارڈ ضرور ملتا۔ مجھے اس سے بچھڑے پورے بائیس برس ہو گئے ہیں۔ میرے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں جبکہ شیبا کی اولاد نہیں ہے۔ یہ بات مجھے بھابی نے بتائی تو مجھے اس روز بہت دکھ ہوا۔ آج مجھے شیبا کی طرف سے تیسواں کارڈ موصول ہوا ہے۔

میرے بچے بہت مذاق اڑاتے ہیں اور میں ہنس دیتا ہوں کہ بیٹا وقت گزر چکا ہے مگر میں آج بھی شیبا ناصر کے قریب کھڑا ہوں میری یادیں بہت توانا ہو رہی ہیں۔

مجھے عید کے دن شیبا کے عید کارڈ کا انتظار رہتا ہے تاکہ مجھے اپنے محبوب کی خبر مل جائے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بھلائے نہیں بھولتے۔ پرائے ہو جانے کے باوجود اپنے اپنے سے لگتے ہیں انہی لوگوں میں شیبا بھی ہے۔ میں آپ کو بتاؤں گزرے ڈیڑھ سال سے میری پوسٹنگ پنڈی میں ہے اور مجھے معلوم ہے کہ شیبا لاہور میں رہتی ہے مگر میں کبھی اس سے ملنے نہیں گیا۔ نہ ملنا چاہتا ہوں کہ مل کر پھر بچھڑنے کا عذاب سہنا محال ہوگا۔ آج بھی میں نے پرانے عید کارڈز کے ساتھ یہ کارڈ بھی سنبھال کر رکھا ہے تو یادوں کی پٹاری کھل گئی اور دل میں عجیب سا درد ہلکورے لے رہا تھا۔

"یہ کیسی کسک ہے؟"

"یہ کیسا درد ہے؟"

آج نجانے کیوں کھونے کا احساس بڑی شدت سے ہو رہا ہے۔ بتائیں اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی یہ دل جوان ہے ویسا ہی امنگوں آرزوؤں سے بھرپور کاش خدا دل نہ دیتا۔ یہ دل جو خواہش ایک بار کر لے پھر وہ خواہش پوری نہ ہو تو...... تبھی میرے بچے آ گئے پانچ مختلف آوازیں۔

"ابو جی...... بابا جانی......" میری بیٹی کہہ رہی ہے۔

"ابو جی ہماری عیدی۔" خرم نے میری گردن میں بازو ڈال دیئے اور میرا دل جو چند لمحے پہلے بہت اداس تھا اس پر یہ آوازیں نرم نرم پھوار بن کر گر رہی ہیں اس کا مچلنا بند ہو رہا ہے۔ میرے بچے میرا مستقبل ہیں اور میں نے سوچا ہے کہ میرے بچے جہاں چاہیں گے وہیں ان کی شادیاں کروں گا میں چاہتا ہوں جب میں مروں تو میرے سب بچے موجود ہوں وجہ۔

اس لیے کہ میں اپنی ماں کے مرنے پر بھی نہیں آیا تھا۔ شیبا سے بچھڑنے کا کوئی دکھ تھا بھلا...... جس نے ماں ہی بھلا دی تھی۔ میرا فیصلہ صحیح ہے نا؟

http://primenovels.blogspot.com/
http://primenovels.blogspot.com/